

# بیمہ زندگی

## بحر مطالب فقہ حنفی

تصنیف

جامع المعقول والمنقول مفسر قرآن محدث کبیر

حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب بلال پور پاکستان

آرائش

حضرت علامہ قاری مفتی پیر سید محمد عارف شاہ ایسی قادری رضوی دہلوی

مکان نمبر A-686، سیکٹر A-11، نارنگھہ کراچی

پیشکش

شبینہ کمپنی

ایل ۳۵۰ سیکٹر ۵ سی ۲،  
بلال ٹاؤن نارنگھہ، کراچی





# بیمہ زندگی

## بمطابق فقہ حنفی

تصنیف جامع المسئول والمسئول مفسر قرآن محدث کبیر  
حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب بھاول پور پاکستان

آرائش حضرت علامہ قاری مفتی پیر سید محمد عارف شاہ اویسی قادری رضوی ترقی

پیشکش

شبینہ کمیٹی  
ایل ۳۵۰ سیکٹر ۵، ۲، بلال ٹاؤن نارنگ، کراچی

# حروفِ حقیر

اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے یہ چند حروف ضرور پڑھ لیجئے۔

بیمہ پالیسی کیا ہے؟

عوام اہلسنت آپ یہ جان لیں کہ بیمہ پالیسی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی کے آنے والے سالوں کا اندازہ لگا کر اس زندگی کے مطابق کسی بیمہ کمپنی سے سودا طے کر لے کہ مثال کے طور پر اگر میں 20 سال تک مزید زندہ رہا تو ہر مہینے کچھ رقم کمپنی کو دوں گا اگر اس دوران مر گیا۔ قتل ہو گیا یا میرا ایسڈنٹ ہو گیا تو پھر کمپنی میرے وارث کو پورے 20 سال کی رقم کو ڈگنی یعنی ڈبل کر کے واپس کرے گی اور اگر میں 20 سال کے بعد بھی زندہ رہا تو میں خود ڈبل رقم واپس لوں گا۔ یہی حال گاڑیوں مکانات جائیداد اور اعضائے انسانی وغیرہ کا بھی ہے کہ اس میں اندازہ لگایا جاتا ہے یہ چیز کتنی دیر تک چلے گی پھر اس حساب سے بیمہ کمپنیوں کے ریٹ مقرر ہیں۔ آسان مفہوم میں اسے بیمہ پالیسی کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مسلک حق اہلسنت والجماعت کے فقہائے کرام کی نظر میں اس مسئلے کی کیا حیثیت ہے؟ حرام ہے ناجائز ہے یا کیا ہے؟ کیا اس طرح بیمہ کروانا جائز ہے؟ کیا یہ سود ہے؟ کہ نہیں ہے؟

جواب اولیٰ: آئندہ صفحات میں میرے استاد قبلہ اولیٰ سرکار نے مسلک حق اہلسنت والجماعت حنفی بریلوی کے تحت اس مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

آپ پڑھئے اور دعا کیجئے کہ اللہ کریم ہمیں نور بصیرت عطا فرمائے (آمین) ان مسائل کا حل باہم مل بیٹھ کر تلاش کرنا چاہئے

اس مسئلے کا تعلق پوری امت مسلمہ سے ہے کیونکہ ان بیمہ کمپنیوں نے ہر ملک میں اپنا جال بچھلایا ہوا ہے۔ ان کا قبلہ درست کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین

حفید جرح مندر اولیٰ

سید عارف ترمذی



## بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على امام الانبياء والمرسلين وعلى

آله الطيبين واصحابه الطاهرين

اما بعد! دشمنان اسلام جو صدیوں پہلے اصول اسلام کو مٹانے کیلئے اٹھے آج وہ مکمل کامیاب نہ سہی عوام اہل اسلام کے دماغوں پر اپنا سکہ ضرور جما چکے ہیں وہ عوام اہل اسلام جو علماء کرام کی تحقیق کو اولیت دیتے تھے آج ان دشمنان سے متاثر ہو کر علماء کرام کی باتوں کو الٹا تخریب سمجھنے لگ گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ دجال جب آئے گا تو میدان یونہی ہموار ہوگا کہ عوام کے ذہنوں سے اس کا نام تک اتر جائے گا۔

دشمنان اسلام نے عوام اہل اسلام کو یوں پھنسایا کہ اصول اسلام کے خلاف ایسے محاذ کھولے جو دنیاوی مفادات سے بھرپور ہوں اور ان کا پرچار حکومتی سطح سے لیکن عوامی طاقت کے ذریعہ کیا گیا اور دوسری طرف خدا ترس علماء کرام کی عزت و عظمت پر ضرب کاری لگائی گئی۔ اب یہ حال ہے کہ اہل حق کی بات تخریب اور دشمنان اسلامی کا ہر منصوبہ تہذیب اناللہ وانا الیہ راجعون

مثلاً :- بیمہ زندگی کے اصول دیکھ لیں یہ سراسر اسلام کے منافی ہیں علماء کرام نے اسے اسلامی رنگ میں پیش کیا تو اسے ناقدری کے کھاتے میں ڈالا گیا۔ فقیر یہ رسالہ صرف خدا ترس مسلمانوں کے لئے پیش کر رہا ہے خدا ترس اہل اسلام اپنے اصول اسلامی کے عاشق بنیں اور غیروں کو غیر سمجھیں (آمین)

### بیمہ کی اصل کاپی

دوسرے علماء کی طرح فقیر کے پاس بھی کمپنی کے افراد چند امراء کو ساتھ لے کر تشریف لائے تاکہ بیمہ کے جواز کا فتویٰ دوں۔ زبانی کافی اچھی باتیں سنائیں فقیر نے بیمہ کے اصل پروگرام کی کاپی طلب کی ایک صاحب یہی کاپی لائے اور ساتھ چند

شخصیات کے آراء کی کاپی بھی۔ فقیر نے پڑھ کر صاف کہہ دیا کہ بیمہ سود کی زد میں ہے۔ (پس یہ) حرام ہے اس کے جواز کی صورت نکل سکتی ہے اگر اسے کمپنی قبول کرے تو فقیر لکھ دے۔ وہ صاحب سن کر خاموشی سے چلے گئے۔

## اسٹیٹ لائف

انشورنس کارپوریشن آف پاکستان

کا جاری کردہ پروگرام ملاحظہ ہو

دیہی بیمہ زندگی کا منصوبہ

بیمہ زندگی نہ صرف افراد اور خاندانوں کو مالی تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ معاشرے کی ترقی و خوشحالی بھی ایک مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ ہمارے ملک کی آبادی کا بیشتر حصہ قبضوں اور دیہاتوں میں مقیم ہے۔ دیہی آبادی کے معاشی مسائل شہری آبادی کے مسائل سے مختلف ہیں۔ اسٹیٹ لائف نے ملک کی اس بیشتر آبادی کو بیمہ زندگی کے فوائد پہنچانے کے لئے جو دیہاتوں میں رہتی ہے ایک نیا اور جامع بیمہ زندگی کا منصوبہ تیار کیا ہے جو دیہی آبادی کی ضرورت، رہن سہن اور حالات کے عین مطابق ہے۔ اس منصوبے کے تحت پالیسی کی مقررہ مدت کے دوران بیمہ دار کو بیمے کا تحفظ حاصل رہتا ہے اور میعاد ختم ہونے پر اس کو بیمے کی رقم ممعہ بونس رقم ادا کر دی جاتی ہے۔ پالیسی کی مقررہ میعاد ختم ہونے سے قبل اگر خدا نخواستہ بیمہ دار کا انتقال ہو جائے تو بیمے کی کل رقم اور جمع شدہ بونس کی رقم بیمہ دار کے ورثاء کو ادا کر دی جاتی ہے۔

## خصوصی تحفظ

دیہی بیمہ زندگی کی پالیسی حسب ذیل خصوصی تحفظ کی حامل ہے:

o حادثاتی موت کی صورت میں ورثاء کو بیمے کی رقم کا تین گنا اور جمع شدہ بونس ادا

کئے جاتے ہیں۔

○ زرعی مشینوں مثلاً ٹریکٹر، تھریشر یا واٹر پمپ وغیرہ کی زد میں آکر موت واقع ہونے پر ورثاء کو بیٹے کی رقم کا پانچ گنا مع جمع شدہ یونٹس ادا کیا جاتا ہے۔

آپ بھی اس دیہی زندگی کے منصوبہ کے ذریعہ چھوٹی چھوٹی پختوں کو بیمہ زندگی کی پالیسی میں لگا کر ایک بڑی جائیداد کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ آج آپ میں کمانے کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہے۔ ۱۵ یا ۲۰ سال بعد جب آپ ان صلاحیتوں میں کمی واقع ہوگی تو آپ کو ایک معقول متبادل آمدنی کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح آپ کو آئندہ بچوں کی اعلیٰ تعلیم اور بچیوں کی شادی کے لئے بھی ایک معقول رقم درکار ہوگی۔ ان تمام ضروریات کو پورا کرنے میں دیہی بیمہ زندگی پالیسی مدد و معاون ثابت ہوگی۔

پریمیم کی ادائیگی

دیہی بیمہ زندگی کی پالیسی کی ادائیگی سالانہ اور ششماہی بنیاد پر ہے۔ آپ کی پالیسی ایک ایسی ملکیت ہے جس کی نقد مالیت میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

زریعہ اور پالیسی کی مدت کا تعین

آپ اپنی مرضی سے اپنی ضرورت اور حالات کے مطابق بیمہ کی رقم کا تعین کر سکتے ہیں۔ پالیسی کی مدت کا تعین ۱۵ سال یا ۲۰ سال میں سے جو بھی آپ کے لئے مناسب ہو کیا جاسکتا ہے۔

اہلیت

دیہی بیمہ زندگی کی پالیسی ۲۰ سے ۵۵ سال کی عمر تک کے افراد حاصل کر سکتے ہیں۔

یونٹس

عام بیمہ پالیسیوں کی طرح دیہی بیمہ زندگی کی پالیسی بھی یونٹس میں شریک ہوگی۔



ہر دو سال بعد اسٹیٹ لائف یونس کا اعلان کرتی ہے اور اسٹیٹ لائف کی فاضل آمدنی کا 97½ فیصد بیمہ داروں کو یونس کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔

### پریمیم کی ادائیگی میں رعایت

اگر قدرتی آفات مثلاً سیلاب، بارش، مٹی، دل، ژالہ باری یا کیتروں مکوڑوں کی وجہ سے فصل کو نقصان پہنچ جائے اور اسی دوران آپ کا پریمیم واجب الادا ہو تو آپ چھ ماہ کے اندر اندر پالیسی کو بغیر جلتی معائنے اور لیٹ فیس کے محال کر سکتے ہیں۔

### خود کار اقساطی ادائیگی

اگر آپ نے دو سال تک باقاعدگی سے پریمیم ادا کئے اور پھر کسی وجہ سے پریمیم کی ادائیگی نہ کر سکے تو پریمیم کی واجب الادا تاریخ سے آئندہ دو سال تک آپ کی پالیسی برقرار رہے گی۔

### قرض کی سہولت

دو سال کے مکمل پریمیم کی ادائیگی کے بعد ادا شدہ اقسام کی نقد مالیت (Sur-render Value) پر آپ اپنی پالیسی پر قرض لے سکتے ہیں۔ ضروریات کے لیے حاصل کی ہوئے قرض کی رقم آپ اپنی سہولت کے پیش نظر واپس کر سکتے ہیں۔

### ضمنی معاہدے

مزید تحفظ حاصل کرنے کے لئے اسٹیٹ لائف کے دیگر ضمنی معاہدے بنیادی پالیسی میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔

## پر یقیم کی شرح

عمر	سالانہ پر یقیم	سالانہ پر یقیم	عمر	سالانہ پر یقیم	سالانہ پر یقیم
فی ہزار زریمہ	فی ہزار زریمہ	فی ہزار زریمہ	فی ہزار زریمہ	فی ہزار زریمہ	فی ہزار زریمہ
۱۵ سال	۲۰ سال	۱۵ سال	۲۰ سال	۱۵ سال	۲۰ سال
۲۰	۷۸۶۰۷	۵۹۶۱۲	۳۸	۷۹۶۷۲	۱۶۶۳۹
۲۱	۷۸۶۰۷	۵۹۶۲۱	۳۹	۷۹۶۹۳	۶۱۶۸۰
۲۲	۷۸۶۰۷	۵۹۶۲۳	۴۰	۸۰۶۲۲	۶۲۶۲۱
۲۳	۷۸۶۱۸	۵۹۶۲۳	۴۱	۸۰۶۵۵	۶۲۶۲۱
۲۴	۷۸۶۱۸	۵۹۶۳۳	۴۲	۸۰۶۸۶	۶۳۶۱۲
۲۵	۷۸۶۲۸	۵۹۶۳۳	۴۳	۸۱۶۲۷	۶۳۶۷۶
۲۶	۷۸۶۲۸	۵۹۶۳۳	۴۴	۸۱۶۷۸	۶۳۶۳۸
۲۷	۷۸۶۳۸	۵۹۶۵۳	۴۵	۸۲۶۳۰	۶۳۶۹۹
۲۸	۷۸۶۳۸	۵۹۶۶۳	۴۶	۸۲۶۹۲	۶۵۶۸۲
۲۹	۷۸۶۴۹	۵۹۶۷۳	۴۷	۸۳۶۶۳	۶۶۶۷۲
۳۰	۷۸۶۵۹	۵۹۶۸۳	۴۸	۸۳۶۳۶	۶۷۶۶۷
۳۱	۷۸۶۶۹	۵۹۶۹۵	۴۹	۸۵۶۲۸	۶۸۶۷۰
۳۲	۷۸۶۸۰	۶۰۶۰۵	۵۰	۸۶۶۲۱	۶۹۶۸۳
۳۳	۷۸۶۹۰	۶۰۶۲۶	۵۱	۸۷۶۲۳	۷۱۶۰۷
۳۴	۷۹۶۰۰	۶۰۶۳۶	۵۲	۸۸۶۳۷	۷۲۶۵۱
۳۵	۷۹۶۱۰	۶۰۶۶۷	۵۳	۸۹۶۶۱	۷۳۶۹۵
۳۶	۷۹۶۳۱	۶۰۶۸۷	۵۴	۹۰۶۹۵	۷۵۶۵۰
۳۷	۷۹۶۵۲	۶۱۶۰۸	۵۵	۹۲۶۲۹	۷۷۶۲۵

بڑی رقم کی پالیسیوں پر پریمیم میں رعایت

۶۰۰۰۰	یا اس سے زائد	۵۰	پیسے فی ہزار
۱۰۰۰۰۰	یا اس سے زائد	۱	روپیہ فی ہزار
۲۰۰۰۰۰	یا اس سے زائد	۱	روپیہ ۵۰ پیسے فی ہزار
۵۰۰۰۰۰	یا اس سے زائد	۲	روپیہ فی ہزار
۱۰۰۰۰۰۰	یا اس سے زائد	۳	روپیہ فی ہزار

نوٹ: سمجھدار بلا تامل پکار اٹھتا ہے کہ یہ سود ہے اور مسلمان سود کو حرام سمجھتا ہے

انتباہ: بیمہ کھلم کھلا سود ہے اس میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں لیکن افسوس کہ کمپنی کے افراد محض چند ٹکے کمانے کے لئے ہزاروں حیلے بیہانے بناتے ہیں سب سے بڑا دھوکہ یہ کہ ایک کاپی پر مشاہیر کے آراء درج ہیں اور بعض مفتیوں کے فتاویٰ بھی۔ ان مشاہیر میں حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ سے لے کر علامہ اقبال مرحوم تک کا ذکر ہے۔ اس طرح سے وہ عام مسلمانوں کو پھنسانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ تبصرہ اویسی غفرلہ

جس دور کے بیمہ کے متعلق ان حضرات کا معاملہ ہے اس وقت بیمہ کی سرپرستی غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھی اس میں جواز کی ایک آدھ صورت ٹکل سکتی تھی جس کی تفصیل آئے گی (انشاء اللہ) پھر ان میں سے بعض حضرات کی عبارات فتاویٰ نہیں بلکہ بیمہ کے فوائد کی آراء ہیں بیمہ کے دنیاوی مفادات کا کون منکر ہے مسلمان کو دنیاوی فوائد مطلوب نہیں ہونے چاہئیں بلکہ وہ تو آخرت کی فکر میں ہو کہ یہ فائدہ اسے کہیں دوزخ میں نہ لے جائے اور ظاہر ہے کہ بیمہ کا دنیاوی منافع دوزخ کا ٹکٹ ہے۔ کوئی دوزخ کا ٹکٹ خریدتا ہے تو خریدے بس ہمارا تو کام ہے اصلاح کرنا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ کا بیان خلق خدا کو نفع رسانی پر مبنی ہے اس سے بیمہ کو کیا



تعلق اور بڑی شخصیات کے آراء بھی یمہ کی دنیاوی منفعتوں اور سہولتوں کے لئے ہیں جواز و عدم جواز سے ان آراء کا کیا تعلق وہ شریعت کے مفتی نہیں بلکہ ملک کے بہتر لیڈر ہیں۔

## فتاویٰ علماء کرام کا حال

افسوس کہ یمہ کمپنی کے افراد مسلمان ہو کر فریب کاری کی حد کر دیتے ہیں ہمارے دور کا حال یہ ہے کہ جس علاقہ میں جس عالم دین کا اثر زیادہ ہے اس کے لئے صاف جھوٹ بول دیتے ہیں کہ یمہ کو وہ نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ وہ تو کمپنی کے ممبر ہیں فقیر اتنا بااثر انسان نہیں اس کے باوجود بہت سے زمینداروں کو میرے نام سے پھنسایا یہی حال سابق دور کے علماء کا رہا۔ کمپنی کی کاپی میں چند دیوبندی مفتیوں کے فتاویٰ درج ہیں وہ بھی دھوکہ ہے اس کی شہادت مفتی محمد شفیع دیوبندی (کراچی) سے لیجئے انہوں نے اپنے دور میں اس کے خلاف بڑا کام کیا۔ رسالے لکھے دوسرے علماء کو ملایا اور کمپنی کو شرعی اصول بلکہ اسلامی قواعد کے مطابق ضوابط بھی لکھ کر دیئے لیکن انہوں نے رسالہ یمہ زندگی میں لکھا (ص ۶۱۱۵)

## کراچی کے مفتی کا بیان

عرصہ دراز ہوا کہ احقر سے ایک یمہ کمپنی کے کسی ایجنٹ نے یمہ کے جواز و عدم جواز کا سوال کیا ان کے پیش نظر تو صرف اتنا تھا کہ میری طرف سے کوئی حرف جواز ہاتھ آجائے تو وہ اسے مسلمانوں کو یمہ کرانے کی ترغیب کا اشتہار اور اپنے کاروبار کی ترقی کا ذریعہ بنائیں۔ جیسا کہ ان کی دی ہوئی ایک کتاب میں دوسرے بہت سے علماء کے ایسے ہی کلمات کو بطور اشتہار انہوں نے استعمال کیا ہوا تھا اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے جو عبارت لکھی ہوئی تھی اس میں درمیان سے ایک پوری سطر کاٹ کر نقطے لگائے ہوئے تھے۔ جس سے

معلوم ہوتا تھا کہ اس سطر میں مفتی صاحب موصوف نے کمپنی کی منشا کے خلاف کوئی بات لکھی تھی اس لئے اس کو درمیان سے حذف کر دیا گیا ہے۔ مگر دیانت کا اتنا پہلو بھی غنیمت نظر آیا کہ درمیان سے ایک سطر کی خالی جگہ میں نقطے لگا کر اتنا ملا دیا تھا کہ مفتی صاحب کی عبارت مسلسل نہیں ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد دیکھا کہ

بجولے اس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پر

کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

رفتہ رفتہ دیانت کا یہ ہلکا سا اثر بھی ختم ہوا۔ اور اب جو پمفلٹ شائع ہوئے ان میں

عبارت کو مسلسل کر کے چھاپ دیا گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

نوٹ: اس کے علاوہ دوسرے دیوبندی علماء کے فتاویٰ کے متعلق بھی مفتی صاحب

موصوف صفائی دیتے ہیں۔ دیکھئے اسی کتاب کی عبارت درج ذیل ہے۔

”اس رسالہ میں ہمہ کمپنی کی طرف سے بہت لوگوں کی رائیں ہمہ کی اہمیت کے

متعلق شائع کی گئی ہیں جن میں کچھ علماء کے اقوال و فتاویٰ بھی ہیں۔ عام رایوں کے

متعلق تو ہمیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ان کی شخصی رائیں ہیں جن کا مسئلہ

شرعیہ سے تعلق نہیں البتہ علماء کے جو اقوال و فتاویٰ نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں سخت

تلبیس اور مغالطہ ہے اور اس کا تعلق شریعت کے حکم سے ہے اس لئے اس کی حقیقت

واضح کرنا ضروری ہے۔

جن علماء کے اقوال اس میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں بجز تین حضرات کے

باقیوں کی طرف مروجہ ہمہ کا جواز منسوب کرنا قطعاً غلط اور تلبیس و مغالطہ ہے ان میں

چند علماء کے اقوال تو خود ان کی تصریح کے مطابق اس پر مبنی ہیں کہ ان کو ہمہ کمپنی

کے قواعد اور معاملات کا علم ہی نہیں تھا۔ صرف اتنی بات سامنے تھی کہ اس سے امداد

باہمی اور ضرورت کے وقت کے لئے آمدنی سے بچت کے نکتے ہیں جس کے مفید اور

محمود ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً حضرات ذیل

۱۔ مولانا محمد مسلم عثمانی فاضل دیوبندی

۲۔ شمس العلماء تاجور نجیب آبادی

۳۔ مولانا عبدالقادر فاضل دیوبندی

۴۔ مولانا ابو محمد یونس صاحب فاضل دیوبند

۵۔ مولانا فیوض الرحمن صاحب مدرسہ نیلا گنبد لاہور

۶۔ مولانا سید محمد طلحہ صاحب پروفیسر اور نٹیل کالج لاہور

ان سب حضرات نے اس کی تصریح پوری وضاحت سے فرمادی ہے کہ ہمیں یمہ کے اصول و قواعد اور معاملات کی تفصیلات معلوم نہیں صرف غریبوں کے لئے کچھ پس انداز کرنے کی اور حوادث کے وقت امداد باہمی کی ایک صورت سمجھ کر اس کے جواز کا حکم لکھ رہے ہیں۔

ایسی حالت میں ان کے قول کو یمہ کے جواز کا فتویٰ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آمدنی سے کچھ پس انداز کرنا جو ضرورت کے وقت کام آسکے اور حوادث کے وقت مصیبت زدہ کی امداد اگر خلاف شرع امور سے خالی ہو تو اس کے جائز بلکہ پسندیدہ اور موجب ثواب ہونے کا کون انکار کر سکتا ہے۔

لیکن رسالہ ہذا میں پوری تشریح و تفسیر کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے کہ یمہ کی مروجہ صورت میں سود بھی ہے اور قمار (جوا) بھی اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ اگر انہیں حضرات سے وہ تمام تفصیلات جن کی رو سے یمہ کا سود و قمار پر مشتمل ہونا واضح ہو جاتا ہے پیش کر کے سوال کیا جاتا تو یقین تھا کہ ان میں سے ایک بھی اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتا۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جن کے فتاویٰ یمہ زندگی کے حرام و ناجائز ہونے پر طبع شدہ مشہور و معروف ہیں اور ان کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں ان کا



کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی یمہ کے جواز سے نہیں ہے۔  
 مثلاً اکابر علماء دیوبند۔ مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن صاحب اور شیخ الحدیث  
 حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا  
 عبدالحی صاحب لکھنوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی شمس العلماء سید  
 نجم الحسن صاحب لکھنوی۔

ان حضرات کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں ان سب کا حاصل اس  
 کے سوا نہیں کہ دارالحرب میں غیر مسلم سے سود لینے کے جواز میں جو بعض فقہانے  
 گنجائش دی ہے بعض نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور بعض نے یہ گنجائش بھی نہیں دی، البتہ  
 جب ان کو یہ بتلایا گیا کہ مسلمان جو اپنی رقم کا سود انگریزی بیچوں میں چھوڑ دیتے ہیں  
 تو حکومت اس کو عیسائی مشن کے ذریعے نصرانیت کی تبلیغ میں خرچ کرتی ہے تو  
 انہوں نے صرف یہ فتویٰ دیا کہ ایسی صورت میں سود کی حرام رقم کو بینک میں نہ  
 چھوڑیں وہاں سے وصول کر کے غریبوں پر صدقہ کر دیں۔ مطبوعہ رسالہ جن لوگوں  
 کے سامنے ہو وہ حرف بحرف اس کی تصدیق کریں گے ان فتاویٰ میں صرف مسئلہ کی  
 یہ نوعیت اس حالت کے لئے بیان کی گئی ہے جب کہ انسان دارالحرب میں رہتا ہو اور  
 اہل حرب اس کے سود کی چھوڑی ہوئی رقم کو اسلام کے خلاف کاموں میں استعمال  
 کرتے ہوں۔ ان مسائل کا پاکستان کی اسلامی حکومت سے کیا واسطہ، پاکستان دارالاسلام  
 ہے، یہاں سود کی رقم نصرانیت کی تبلیغ پر خرچ کرنے کا کوئی امکان نہیں اس کے علاوہ  
 یہ بتلائے کہ اس مسئلہ کا یمہ مروجہ کے جواز سے کونسا علاقہ ہے کہ رسالہ ”یمہ کی  
 اہمیت“ میں ان فتاویٰ کو نقل کرنے کے بعد رسالہ مذکورہ کے ص ۲۲ میں ان بزرگوں  
 پر یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ انہوں نے یمہ مروجہ کے جواز کے فتوے دیئے ہیں ان  
 کے الفاظ یہ ہیں۔“

”مولانا کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیت علماء ہند دہلی، اور مولانا عزیز الرحمن

صاحب مفتی دارالعلوم نے فتوے صادر فرمائے ہیں کہ زندگی کا یمہ کرانا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ یہ ایک قسم کی تجارت ہے۔ جو کہ فضول خرچیوں اور اصراف بے جا کے دباؤ سے بچانے کے لئے بہت مفید ہو سکتی ہے۔“

### مفتی کی فریاد

مذکورہ بالا تحریر کے بعد مفتی صاحب کمپنی کا رونا روتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
 ”کتنی بڑی جسارت ہے کہ ان اکابر علماء کی طرف یمہ مروجہ کے جواز کے فتوے منسوب کر دیئے حالانکہ ان سب حضرات کے فتاویٰ جو عموماً شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ان میں زندگی کا یمہ مروجہ کو صراحتہ حرام کہا گیا ہے۔ اور شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ ان میں سے بہت سے حضرات کے فتاویٰ شائع بھی ہو چکے ہیں۔

### ہم سب

یہ رونا ہم سب کا مشترک ہے لیکن افسوس کہ ہم غریبوں کی کوئی نہیں سنتا۔ ہاں آج ہم رورہے ہیں کل یہ کمپنی اور اس کے کارندے اور یمہ کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے سب روئیں گے۔ (انشاء اللہ)

### فتاویٰ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ

اس سے بڑھ کر رونا ان نیم خواندہ مولویوں یا سرکاری درباری مولویوں کا ہے جو بلا تحقیق یمہ و دیگر بے شرع امور کو محض سرکار اور نئی تہذیب کے دلدادہ گان کو خوش کرنے کے لئے شرعی مسائل کو نئے اجتہاد کا رنگ دے کر ناجائز کو جائز اور جائز کو ناجائز کے کھاتے میں ڈالنے پر کمر بستہ ہیں حال ہی میں ایک نئی تہذیب کے عاشق نے مفتی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر افتراء کر کے مطلق یمہ کو نہ صرف جائز لکھا بلکہ اپنے ایک مشہور رسالہ میں شائع بھی کر دیا۔

نوٹ: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمہ اللہ کی فقہیت کا لوہا مخالف بھی مانتا ہے آپ کے دور

میں یمہ کمپنی کفار کے ہاتھوں تھی اسی لئے مطلقاً جواز لکھا گیا ورنہ یہ فقہ حنفی کا مسلم مسئلہ ہے کہ جس کمپنی میں ایک بھی مسلمان حصہ دار ہو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی جواز اسی شرط سے مشروط ہے کہ اس میں کوئی مسلمان حصہ دار نہ ہو۔  
تفصیل آئے گی (انشاء اللہ)

## یمہ انشورنس

یمہ انشورنس سے متعلق عام مسلمان غلط فہمی کا شکار ہیں امام احمد رضا نے اپنے ایک خط کے ذریعے اس گتھی کو سلجھا دیا ہے اور اختیائی سادہ و آسان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

”جبکہ یمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے۔ حرج نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمے کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت“

(احکام شریعت ص ۱۸۱)

ظاہر ہے کہ ہر وہ فعل جو خلاف شرع احتیاط کا پابند بناتا ہو۔ مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے اور یمہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ہے“

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور بابت صفر ۱۴۰۳ھ)

## اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کی وضاحت

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے مندرجہ بالا فتویٰ سے خود ضیائے حرم کے مفتی صاحب غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ ان کے اپنے دور کی خالص انگریزی حکومت کے بارے میں تھا جو کہ خالص کفار کی حکومت تھی۔ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی کا فتویٰ ہم نقل کرتے ہیں ان کے یہ الفاظ اعلیٰ حضرت کے اسی فتویٰ کی وضاحت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ



”اگر یہ یمہ کمپنی خالص کفار کی ہے اور بعد یمہ اہل کمپنی اس شخص کو سفر حج یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روکتے اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو تو یمہ کرانا جائز ہے۔ جو فائدہ اس یمہ کے ذریعے یمہ کرانے والا حاصل کرے وہ حلال ہے“  
 ولہذا حکومت پاکستان جو بفضل اللہ تعالیٰ اسلامی حکومت ہے کے یمہ کو اعلیٰ حضرتؒ کے اس فتویٰ سے جائز قرار دینا ضیائے حرم کے مفتی صاحب کی صرف غلط فہمی ہی نہیں۔ بلکہ عامۃ المسلمین کو گمراہی میں ڈالنا بھی ہے۔

نوٹ : یہ مفتی ضیائے حرم کا قصور ہے تو اس کے ان سرپرست پروفیسروں ڈاکٹروں اور وکلاء کی وجہ سے جنہوں نے اسلام کے اصول کو نئی تہذیب کے دلدادگان پر قربان کرنے کی قسم کھا رکھی ہے ورنہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی وجہ ظاہر تھی کہ انہوں نے اس دور کے مطابق فتویٰ دیا جبکہ کمپنی کے کارندے غیر مسلم تھے اور وہ فتویٰ بھی مشروط تھا آج تو کارندے مسلمان ہیں تبدیل الاحکام بتبدل الازمان کا قاعدہ مفتی کو معلوم نہیں تو پھر مفتی بننے کا کیا فائدہ۔

شارح مسلک حق حکیم الامتہ مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ

خدا بھلا کرے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کہ بروقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتویٰ کی وضاحت فرمادی ورنہ مفتی مذکور نے مسلک احمد رضا قدس سرہ پر ضرب کاری لگانے میں کسر نہ چھوڑی تھی۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ نعیمہ میں ہے۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زندگی کا یمہ کرانا کیسا ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مل کر ایک انجمن قائم کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کچھ رقم جمع کراتا رہتا ہے یہ طے ہو جاتا ہے کہ اتنے زمانہ تک یہ رقم جمع کراتا رہے گا اور اس کے بعد روپیہ انجمن سے حاصل کرے گا۔ اب اگر ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا تو انجمن کو وہ تمام رقم ادا کرنی پڑے گی جو طے ہو چکی

ہے مثلاً اگر دس ہزار روپیہ کا بیمہ کیا اور پچیس روپے ماہوار ادا کرنے کا تاجمین حیات اقرار کیا۔ اب اس کا ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد انتقال ہو گیا تو بھی انجمن کو دس ہزار روپیہ دینا ہو گا اور اگر سو برس تک بھی زندہ رہ کر مرا تو بھی اتنا ہی روپیہ۔ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

۱۔ تھوڑی تھوڑی رقم جاتی ہے اور اکٹھی رقم آتی ہے۔

۲۔ روپیہ محفوظ رہتا ہے اور اپنی اولاد کی طرف سے بے فکری رہتی ہے۔ ایسا بیمہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو وہ شرکت ہے یا امانت؟ اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟

بیتوا و توجروا (ازاجمیر شریف)

الجواب: اگر یہ بیمہ کمپنی خاص کفار کی ہے اور بعد بیمہ اہل کمپنی اس شخص کو سفر حج یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روکتے اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو تو بیمہ کرنا جائز ہے اور جو فائدہ اس بیمہ کے ذریعہ بیمہ کرنے والا حاصل کرے وہ حلال ہے کہ یہ عقد یا تو عقد ریوا ہے یا عقد قمار۔

ریوا تو اس لئے کہ جو رقم بیمہ والے سے کمپنی لیتی ہے وہ یا تو بطور قرض لیتی ہے یا بطور بیع اور دونوں صورتوں میں بیمہ کرنے والا رقم بھی لیتا ہے اور وہ منافع بھی حاصل کرتا ہے جو سائل نے بیان کئے۔ لہذا یہ ریوا (سود) ہوا۔ بصورت قرض تو اس لئے کہ کل قرض جبرئعاً فھو ریوا (ہر قرض جو نفع کھینچے وہ سود ہے) اور بصورت بیع اس لئے کہ یہ منافع خالی عن العوض ہیں۔ لہذا ریوا ہیں بحوالہ الرافق میں ہے فضل مال بلا عوض فی معاوضتہ مال بمال (یعنی سود مال کی اس زیادتی کا نام ہے جس کا عوض نہ ہو جب کہ یہ مال کے بدلہ میں مال لینے میں پائی جائے اور درمختار میں ہے ہو فضل حال عن العوض مشروط لاحد ہما فی المعاوضہ (سود اس زیادتی مال کا نام ہے جو بائع یا

مشری میں سے کسی ایک کے لئے شرط کی گئی ہو اور وہ عوض سے خالی ہو اور یہ مال کے بدلہ میں مال لینے کے عقد میں پائی جائے (نیز اسی درمختار میں ہے فدخل ربو النسئہ والبیوع فکلها من الربا۔

قمار (جوا) اس لئے کہ قمار میں ایجاب مال علی شرط الغلبہ ہوتا ہے (قاموس) اس میں یہ ہے کہ اگر صاحب بیمہ کی زندگی دراز ہوئی تو کمپنی کا غلبہ ہوا کہ اس کے پاس رقم زیادہ پہنچی اور اگر اس کی عمر کم ہوئی تو اس کو نفع ہوا کہ رقم کم گئی اور زیادہ رقم ہاتھ آئی اور تمامی عقود فاسدہ خواہ بیع بالشرط ہو یا ربو یا قمار۔ ان کے ذریعہ سے کفار حرمیہ سے اگر مسلمان کو نفع ہو تو جائز ہے اور اگر کفار کو ہو تو ناجائز بحوالہ الرائق میں ہے ای لا ربوا بینہما فی دار الحرب عندہما خلافا لابی یوسف وفی البنایتہ وکذا اذا باع خمرا او خنزیرا او میتہ او قاموہم واخذ المال کل ذلک یحل لہ اور اسی میں ہے۔

لا یخفی انہ انما اقتضی حل مباشرہ العقد اذا کان الزیادہ نیالہا المسلم۔ اور درمختار میں ہے۔ ولابین حربی و مسلم لان مالہ ثمہ مباح فیحل برضاه مطلقا بلا عذر اور ردالمختار میں ہے۔ حتی لو باعہم درہما بدرہمین او باعہم میتہ بدرہم او اخذ مالہ منہم بطریق القمار فذلک کلہ طیب لہ اور اسی میں ہے ان مراد ہم من حل الربوا والقمار ما اذا حصلت الزیادہ لسملم۔

اور شرعاً یہ عقد عقد شرکت نہیں کہ شرکت میں مال شرکت تو متعین و معلوم ہونا چاہئے اور مال ادا غیر متعین و غیر معلوم ہونا چاہئے۔ شرکت میں خبر نہیں کہ نفع ہوگا یا نقصان اور اگر نفع ہوگا تو کتنا اور اگر نقصان ہوگا تو کتنا۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ جو رقم بیمہ والے کو ملے گی وہ تو معلوم ہے مگر جو رقم کمپنی کو حاصل ہوگی وہ مجہول ہے کہ بوقت شرکت کسی کو خبر نہیں کہ اس شخص سے کتنا روپیہ وصول ہوگا۔ اگر موت جلد واقع ہوگی تو روپیہ کم وصول ہوا اور بصورت دیگر زیادہ۔



اور اگر اس شخص نے روپیہ بغرض شرکت بھی دیا ہو تب بھی شرکت فاسدہ ہے کیونکہ مقرر کردی گیا ہے کہ اتنا روپیہ واپس لوں گا اور شرکت فاسدہ قرض بن جاتی ہے درمختار میں ہے۔ وتفسد باشرط دراهم مسلمات من الربح لاحدہما لقطع الشرکہ اور رد المختار و ذلك يقطع الشرکہ فتخرج الى القرض اور البضاعت نہ یہ امانت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ تحفہ ص ۸)

توضیح مزید از فقیر اویسی غفرلہ : اس سے کوئی بدگمانی کرے کہ جب سود حرام ہے تو پھر غیر مسلم سے لینا کیسے حلال ہو گیا۔ سٹھی طور اسلام کو سمجھنا آج کل عام ہے۔ بالخصوص دشمنان اسلام نے ایسے مسائل لیکر عوام بلکہ بہت بڑے پڑھے لکھے لوگوں کو بہکایا اور بہکا رہے ہیں اصل مسئلہ سود کا نہیں اس کا اصل ضابطہ ہے عقود فاسدہ کا عقود فاسدہ غیر مسلموں سے دارالحرب وغیرہ میں جائز ہے اس کے ضمن میں سود شامل ہوا ہے یعنی دارالحرب میں فقہاء نے ”عقود فاسدہ“ کی اجازت دی ہے عام کتابوں میں اگرچہ ”مستامن“ کی قید ہے لیکن (شرح السیر الکبیر سے ص ۱۱۱ ج) ”حرملی مسلم“ کے لئے بھی اجازت معلوم ہوتی ہے یعنی وہ معاملات جو شریعت کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں۔ البتہ ان میں رضامندی کی شرط ضروری ہے۔ عذر کی اجازت نہیں چنانچہ فرمایا کہ

ثم قد علم ان الربا لا يجزى بين المسلم والحبلى فى دارالحرب  
پھر یہ امر معلوم ہے کہ ”ربوا“ دارالحرب اور دارالسلام کے باشندوں کے درمیان جاری نہیں ہے۔

اس کی دلیل بھی خود مؤلف کی زبانی ملاحظہ ہو۔

استدلال نمبر ۱: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کب اسلام لائے بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ غزوہ بدر سے قبل ہی اسلام لائے تھے۔

بعض کہتے ہیں کہ غزوہ بدر میں گرفتار کر لئے گئے اور اس کے بعد اسلام لائے، پھر جناب رسول اللہ ﷺ سے ”مکہ“ واپس جانے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت مرحمت فرمادی، مکہ میں سکونت پذیر رہے، اور وہاں سودی کاروبار فتح مکہ تک کرتے رہے حالانکہ سود کی حرمت اس سے قبل آچکی تھی۔

استدلال نمبر ۲: لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً (سود نہ کھاؤ، دو چند سے چند، آیت کریمہ غزوہ احد کے زمانہ میں اتری تھی اور مکہ اس کے کئی سال بعد فتح ہوا، فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے حضرت عباسؓ کے پچھلے سارے معاملات کو باطل قرار نہیں دیا۔ سوائے ان معاملات کے جن میں ابھی تک قبضہ نہیں ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حرلی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ ہو سکتا ہے۔ (شرح السیر الکبیر ص ۲۲۶ ج ۳) استدلال نمبر ۳

ولو كان المسلم في منعة المسلمين فكلم الحربي من حصنه وعامله بهذه المعاملات الفاسده فيما بين المسلمين فان ذالك لا يجوز، وقد بينا ان كثيرا من مشائخنا يقولون بالجواز هاهنا لان مال الحربي مباح في حق المسلم (..)

اگر کوئی مسلمان اہل اسلام کے لشکر میں ہو، حرلی نے اپنے قلعہ سے مسلمان سے گفتگو کی اور معاملات فاسدہ میں سے کوئی معاملہ کر لیا، تو یہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ البتہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ اس مسئلہ میں بھی جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ حرلی کا مال مسلمان کے حق میں (جب کہ اس میں دھوکہ فریب نہ ہو) مباح ہے۔

مسئلہ: دار الحرب سے دارالاسلام کی اگر صلح ہو جائے تب بھی اس قسم کے معاملات کی اجازت ہے۔

دار الحرب والوں نے دارالسلام والوں سے اگر صلح کر رکھی ہو اس زمانہ میں

دارالاسلام کا باشندہ ان کے یہاں گیا اور ایک درہم کو دو کے عوض بچ دیا۔ تو اس میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس صلح سے دارالحرب دارالاسلام نہیں بن جاتا۔ مسلمانوں کے لئے تو دارالحرب والوں کا مال ان کی خوشی اور رضامندی کے بغیر لینا حرام ہے کیونکہ اس میں ”عذر“ (دھوکہ فریب) پایا جاتا ہے۔ لیکن جب انہوں نے خوشی اور رضامندی سے یہ معاملہ کیا ہے تو دھوکہ فریب کے معنی معدوم ہو گئے اور ان سے لیا ہوا مال مباح ہو گیا۔ (شرح السیر الکبیر ص ۲۲۸ ج ۳)

حنفی مع مالکی : دارالحرب میں ”عقود فاسدہ“ کے جواز کا مسئلہ صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہی نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے بلکہ امام مالک بھی اس کے جواز کے قائل ہیں البتہ امام موصوف کے نزدیک ایک شرط ہے وہ یہ کہ دارالاسلام سے دارالحرب کی صلح نہ ہو۔

سئل الامام مالک هل بین المسلم اذا دخل دارالحرب و بین الحربی ربوا فقال الامام هل بینکم و بینهم هدنہ؟ قالوا لاء فقال مالک فلا باس فی ذلك (المردۃ الکبریٰ ۲۸۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ مسلم اگر دارالحرب میں داخل ہو تو وہاں کے لوگوں سے سود لے سکتا ہے؟ امام مالک نے دریافت کیا کہ کیا تم میں اور ان میں صلح ہے؟ کہا گیا نہیں تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ علامہ شامی کے فتوے میں بھی حربیوں سے اس قسم کے معاملات کی اجازت عام لکھی ہے۔

### بیمہ دو خرابیوں کی زد میں

بیمہ میں ربوا و قمار ہے اور ربوا اور قمار بھی قرآن حکیم حرام ہیں۔ اور ان دونوں پر سخت و عیدیں آئی ہیں اس لئے اس قسم کے معاملات سے احتراز کرنا ضروری ہے



انتہائی ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس طرح کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے‘  
اس موقع پر ایک غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے‘ لہذا اس کے ازالہ کے لئے ہم مولانا سید  
مناظر احسن گیلانی کی عبارت نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ حوالہ (اسلامی معاشیات)  
اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشی سوال پیدا ہو گیا۔

یعنی

غیر اسلامی حکومت کسی غیر مسلم باشندہ کا روپیہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی  
قانون کی رو سے لین دین کا قانونی اور شرعی ذریعہ نہیں ہے مثلاً ریوایا یا قمار ازیں قبیل  
کے کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے قبضہ میں آجائے تو کیا قانوناً یہ  
مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں چونکہ یہ ایک جائز اور مباح مال پر قبضہ ہے اور  
مباح و جائز مال کے مملوک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے۔ مثلاً جنگل کے کسی  
پرندے کا شکار کر کے قبضہ کر لینا اس پرندے کا مالک ہونے کے لئے کافی ہے۔ اسی  
لئے امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ اس قسم کے اموال کا مسلمان قانونی طور پر مالک بن  
جاتا ہے اور یہی ان کا وہ مشہور نقطہ نظر ہے جس کی وجہ سے حنفی فقہ کی عام کتابوں  
میں لاربا بین الحربی والمسلم (الحربی غیر مسلم اسلامی حکومت کا باشندہ اور المسلم  
اسلامی حکومت کا باشندہ کے درمیان ریوایا سود نہیں ہے) کا ذکر پایا جاتا ہے گویا یہ بین  
الاقوامی قانون کی ایک دفعہ ہے۔ عوام چونکہ اس کے اصل منشاء سے واقف نہیں  
ہیں۔ اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے۔ کہ ریوایا (سود) جب اسلام میں حرام ہے تو ہر  
جگہ اور ہر شخص سے لینا حرام ہونا چاہئے۔ حرلی یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم  
باشندوں کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا معنی؟ مگر سچی بات یہ ہے کہ حرلی کے  
ساتھ یہ معاملہ ریوایا کا معاملہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایک کو قبضہ میں لے کر اسے ملک بنانا  
ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شرعی غلام اور آقا کے درمیان بھی اگر

ربو کا معاملہ کیا جائے تو وہ بھی ”ربو“ نہ ہوگا۔ ظاہر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باوجود ربو اور سود ہونے کے امام نے اس کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ بھلا! ایک مجتہد کو اس کا حق کیا ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ قانوناً غلام کا مال آقا ہی کا مال ہے۔

(اسلامی معاشیات ص ۱۸)

مثلاً شرعی غلام اور آقا اگر کوئی سودی معاملہ کریں تو اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ ملک غلام اور آقا کی واحد ہے، اسی طرح اگر ایک شخص اپنی آمدنی کو مختلف مدوں میں تقسیم کر کے الگ الگ رکھ لے پھر ایک مد کے لئے دوسری مد سے قرض لے اور اس میں کچھ رقم بطور سود لگا لے تو وہ سود نہیں کہلائے گا۔ علاوہ ازیں جن دو شخصوں کے درمیان شرکت کا معاملہ ہوا اور وہ اس مال مشترک میں آپس میں کوئی سودی معاملہ کر لیں تو وہ بھی سود نہیں ہوگا۔ شرکت کی وجہ سے دونوں کی ”ملک“ ایک سمجھی جائے گی۔

حق ملک کی صورت میں سود ہوگا مثلاً میاں بیوی جب کہ دونوں کی املاک علیحدہ ہوں، اگر آپس میں کوئی سودی لین دین کریں تو حرام اور ناجائز متصور ہوگا حالانکہ بیوی کو اپنے شوہر کے مال میں بقدر نفقہ حق ملک ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس باپ اور بیٹا اگر آپس میں ربو کا معاملہ کریں تو اس پر حرام ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور یہ کہنا کہ بیٹے کے مال میں باپ کا حق ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے انت ومالك لابيك (۱) اس معاملہ کو ربو کے حکم سے خارج نہیں کر سکتا۔

(۱) تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا

ملک العلماء ”ربو“ جاری ہونے کی شرائط کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

وما منها ان لا یكون البدلان ملکاً لاحد المتبايعین فانه لا یجری الرباء علی  
هذا یرج العبد لما ذون اذا باع مولاه درهما بدرهمین ولیس علیہ دین انه  
یجوز لانه اذا لم یکم علیہ دینا فما فی یدہ لمولاه فکان البدلان ملک المولی فلا

يكون هذا بيعاً فلا يتحقق الرباء اذ هو يختص بالبيعات وكذلك المتفاد ضمان  
 اذ اتبا بعاذرهما بدر تهمين يجوز لان البدل من كل واحد منهما مشترك بينهما  
 فكان مبالته ماله بماله فلا يكون بيعاً ولا مبادله حقيقه (بدائع الصنائع ص ۱۹۳ ج ۵)  
 بد لیں اگر معاملہ کرنے والوں کے ملک نہ ہوں تو سود جاری نہیں ہوگا۔ مثلاً عید  
 مازون (۲) اگر اپنے آقا کو ایک درہم کے عوض میں دو درہم بیچ دے اور غلام پر کسی کا  
 دین نہ ہو تو یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ دین نہ ہونے کی صورت میں غلام کے پاس جو  
 کچھ ہے وہ اس کے آقا کی ملک ہے لہذا بد لین آقا کی ملک ہیں۔ اس لئے یہ بیع ہی نہیں  
 ہوئی۔ لہذا روایا بھی نہیں ہوگا کیونکہ روایح کے ساتھ خاص ہے اسی طرح دو شریک  
 جب اس طرح کا معاملہ کریں تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ بدل مشترک ہے اس لئے  
 یہاں حقیقتاً بیع ہی نہیں ہوئی۔

حقیقت ملک اور حق ملک کا فرق ایک اور مسئلہ سے بھی واضح ہوگا مسئلہ یہ ہے کہ  
 بائع (فروخت کرنے والا) جب خریدنے والے سے کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ مال  
 فروخت کر دیا۔ اس کو ”ایجاب“ کہا جاتا ہے ایجاب کے بعد خریدنے والے کو حق ہوتا  
 ہے کہ وہ اس معاملہ کو قبول کرے یا نہ کرے بائع کے ایجاب کے بعد خریدنے والے  
 کو قبول کرنے کا حق معاملہ کی مجلس تک باقی رہتا ہے لیکن اگر بائع کے ایجاب کرنے  
 کے بعد جب کہ مشتری نے قبول نہ کیا ہو اپنے ”ایجاب“ سے رجوع کر لے تو وہ  
 رجوع کر سکتا ہے اس صورت میں مشتری کا حق قبول سوخت ہو جائے گا۔ اس پر  
 اعتراض ہو سکتا ہے کہ مشتری کو جب مجلس کے اختتام تک حق قبول حاصل ہے تو  
 بائع کو ”ایجاب“ سے رجوع نہیں کرنا چاہئے۔ اس اعتراض کا جواب صاحب عنایہ اس  
 طرح دیتے ہیں کہ مشتری کو تو ”حق ملک“ حاصل ہے لیکن بائع کو ”حقیقت ملک“  
 حاصل ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے ”حقیقت ملک“ اعلیٰ ہے اور ”حق ملک“  
 ادنیٰ لہذا اعلیٰ ادنیٰ کو سوخت کر دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔



فالجواب ان الا يجاب اذا لم يكن مفيد للحكم وهو الملك كان الملك  
حقيقته للبائع وحق التملك للمشتري وهو لا يمنع الحقيقه لكونها اقوى من  
الحق لا محالته۔

اس کا جواب یہ ہے کہ محض ایجاب سے جبکہ حکم یعنی ملک حاصل نہیں ہوتی تاکہ  
حقیقت کے لحاظ سے بائع کی ہے اور ”حق ملک مشتری کا حق ملک“ ملک کو منع نہیں کیا  
جاسکتا کیونکہ وہ حق سے قوی تر ہے۔

فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے، ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا  
ہے اور میعاد میں اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن سود کی رقم بصورت ٹیکس یا  
چندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔ سود کا لینا ”حرام“ ہے اس لئے اس کو لے کر پھر  
واپس کر دیتا ہے اس ”حرام“ کو حلال نہیں کر سکتا۔

بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کسی دوسرے شخص کو ادا کے طور پر دے  
دیتا ہے تو اس صورت میں انشورنس کا معاملہ کیا جائز ہوگا۔

اس صورت میں بھی انشورنس کے کاروبار کی اجازت نہیں ہے الایہ کہ ناواقفیت کی  
بناء پر اگر انشورنس کا معاملہ کرے اور اس سے رقم سود وصول ہو جائے تو یہی طریقہ  
ہے کہ کسی شخص کو بلا نیت ثواب ادا کے طور پر دے دے۔

۱۳۔ اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح و حاجات مذکورہ  
کو سامنے رکھ کر اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں۔ اور  
اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے اگر ہو سکتا ہے تو کیا انشورنس کی  
مروجہ شکل میں کوئی ایسی ترمیم ہو سکتی ہے جو اسے معصیت سے خارج کر دے اور  
مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے اگر ہو سکتی ہے تو کیا ہے۔

الف۔ اس کا بدل پچھلے صفحات میں ہم بتلا چکے ہیں۔

ب۔ جب تک کہ ریو اور تمار موجود ہیں معصیت کی دائرہ سے خارج نہیں ہو سکتا۔

## یمہ کمپنی کے سبز باغات

جو لوگ سود کی لعنت سے ڈرتے تھے انہیں کمپنی نے دھوکہ اور فریب سے علماء کرام کے فتاویٰ سے مطمئن کر دیا حالانکہ وہ اکثر کو تو فتاویٰ کہنا بھی فتویٰ کے تقدس کو پامال کرنا ہے اگر بعض صاحبان کے فتاویٰ تھے تو انہیں غلط رنگ دیا گیا یا توڑ مروڑ کی گئی دھوکہ سے دولت سمیٹنا کسی بھی قوم کے نزدیک اچھا نہیں لیکن ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ علماء کرام کو بدنام کرنے سے تمہارا کام بنتا ہے تو بناؤ لیکن خدا کے عذاب سے بچ کر ٹکنا آسان نہیں۔ جب لوگ مطمئن ہو گئے کہ یمہ سود وغیرہ نہیں تو پھر ذیل کے سبز باغات سے عوام کو پھنسایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

یمہ کے دینوی فوائد :- ناگمانی حوادث کی صورت میں یمہ دار تباہی و

بربادی سے بچ جاتا ہے۔ مثلاً

(۱) عام فسادات میں بہت سے مسلمانوں کے کارخانے خاک سیاہ اور تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں جن لوگوں نے اپنے کارخانوں کا یمہ کرایا۔ وہ تباہی سے بچ گئے اور انہوں نے دوبارہ اپنا کاروبار جاری کر دیا۔ لیکن جنہوں نے یمہ نہیں کرایا وہ پورے طور پر برباد ہو گئے۔ پنپ نہ سکے دوکانوں اور مکانوں وغیرہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔

(۲) فسادات ہر ملک میں عوام کا ہر روز کا معمول بن چکے اور ان کا انسداد مسلمانوں کی استطاعت سے باہر ہے۔ اور یہ نقصانات یمہ کے ذریعے سے با آسانی پورے کئے جاسکتے ہیں۔

(۳) اوسط طبقہ کے افراد جو کثیر العیال بھی ہوں، اگر ناگمانی طریقہ سے وفات پا جائیں تو ان کے پسماندگان سخت پریشانی میں پڑتے ہیں۔ اپنی قلیل آمدنی میں عموماً وہ کوئی رقم پس انداز کر کے نہیں رکھ سکتے جو ان کے پسماندگان کے کام آسکے۔ ایسی حالت میں اگر وہ یمہ پالیسی خرید لیں تو ایک طرف تو نہیں پس اندازی میں سہولت ہوتی

ہے۔ دوسرے ان کی ناگہانی وفات پر ان کی پس انداز رقم مع مزید رقم کے ان کے پسماندگان کو مل جاتی ہے جو ان کے لئے بہت مفید اور معاون ہوتی ہے۔

(۴) تعلیم وغیرہ کی صورت میں تو یہ مصلحت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے اس لئے اگر وہ اپنی اولاد کو مناسب تعلیم دلانے سے قبل وفات پا جائیں تو اولاد کا سلسلہ تعلیم منقطع نہیں ہوتا اور کسی نہ کسی دن اولاد اس قابل ہو جاتی ہے کہ کچھ کما سکے۔

(۵) اگر اولاد نالائق ہو باپ کے مرنے کے بعد ماں کی طرف سے غفلت برتنی ہے اور اس کا شرعی حق نظر انداز کر کے باپ کی کل جائداد و املاک پر قابض ہو جاتی ہے اس صورت میں اگر شوہر یمہ کی پالیسی خرید کر اپنی بیوی کو اس کا وارث قرار دیدے تو یہ رقم یمہ کو بلا تکلیف مل جاتی ہے۔

(۶) اگر اولاد کے درمیان بغض عداوت ہو۔ یا بعض بچے چھوٹے ہوں۔ اولاد سے خطرہ ہو کہ حقوق کو غصب کر لیں گے۔ تو بھی ان کے نام سے یمہ پالیسی خرید لینا مفید ہے۔

لطفہ :- یمہ کمپنی کے ہاں جو فتاویٰ کا مجموعہ ہے اس میں کمپنی کے مشیوں نے اسی طرح کے فوائد و منافع ذکر فرمائے ہیں ان فتاویٰ میں یہ نہیں ثابت کیا گیا کہ یمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے جائز ہے تو کوئی قرآنی دلیل یا احادیث مبارکہ یا فقہائے کرام کے اقوال سے اس کا نام فتویٰ ہے تو پھر فتویٰ اسلام کا خدا حافظ۔

(۱) اب سے دو چار صدی پیشتر مسلمانوں کے حالات مختلف تھے اول تو ناگہانی حادثات کی اتنی کثرت نہیں تھی جو آج مشین کے رواج کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے دوسرے ہجرت مسلمان اسلامی حکومتوں میں رہتے تھے جہاں بیت المال بڑی حد تک ان حوادث کے نتائج سے پناہ دیتا تھا۔ تیسرے مصارف زندگی کا اتنا بوجھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ چوتھے آپس کی ہمدردی کا جذبہ اتنا سرد نہیں ہوا تھا۔ جتنا آج ہو گیا ہے۔ پانچویں تعداد کی قلت اور قوم کی بحیثیت مجموعی دولت مندی زکوٰۃ و صدقات کا رواج



یہ سب امور مل کر اس قسم کے نقصانات کی تلافی کر دیا کرتے تھے۔ اب ان سب چیزوں کا تقریباً فقدان ہے۔ آبادی میں اضافہ مزید پریشانی کا باعث ہے۔ سو میں ایک تباہ حالی دور کرنا۔ آسان ہے مگر سو میں ۲۵ کے ساتھ مواسات کرنا بہت مشکل ہے۔  
شیخ سعدی پیغمبرؐ (معاذ اللہ)

کہتے ہیں ”صاحب الغرض مجنون“ اہل غرض مجنون ہوتا ہے یمہ کمپنی نے علماء کرام کے ساتھ صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے سر تاج صوفیہ سیدنا مصلح الدین شیخ سعدی شیرازی کو بھی یمہ کمپنی میں شامل کر کے ان کی تعریف میں انہیں اشعار کا پیغمبر بنا دیا ایک قطعہ ملاحظہ ہوں۔

در	شعر	سہ	تن	پیبر اند
ہر	چلد	کہ	لانی	بعدی
اوصاف	و	قصیدہ	و	غزل
فردوسی	انوری	و	سعدی	

یعنی رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کے باوجود کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ شعر و شاعری کی دنیا میں تین اشخاص کو پیغمبر سمجھا جاتا ہے یعنی فردوسی، انوری، سعدی تبصرہ اویسی غفرلہ :- ہم کمپنی کے کارندوں سے کہاں تک سروردی کریں کہ نبی علیہ السلام کے بعد جزوی طریق سے کسی کو پیغمبر ماننا غلام احمد قادیانی کے ساتھ تعلق جوڑنے والی بات تو نہیں۔ یہ لوگ بھی سچے ہیں دیوبندی وہابی فرقہ نے ثابت کر دکھلایا کہ حضور علیہ السلام کو شعر و شاعری کا علم نہ تھا۔ نبوت سے یہ سیٹ خالی پا کر کمپنی نے تین پیغمبر بٹھائے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اتنا بلند مرتبہ جتلا کر یمہ کمپنی نے لکھا کہ اس واسطے شیخ سعدی کا یہ فرمان بھی فتویٰ کا حکم رکھتا ہے وہو ہذا۔

## فضول خرچی

کون نہیں جانتا کہ بیمہ کا مقصد اولین ”اسرافِ بجا“ کے خلاف جہاد کرنا اور عامۃ الناس کو کفایت شعاری سکھانا ہے اسرافِ بے جا کے متعلق حضرت شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں۔

الطی کو روز روشن شمع کا فوری نمد

زود باشد کش بشب روغن نباشد در چراغ

جو احمق شخص دن کے وقت فوراً کا دیا جلاتا ہے جلدی ایسا ہوتا ہے کہ رات کے وقت کے لئے اس کے چراغ میں تیل نہیں رہتا یعنی وہ شخص اپنے اچھے ایام میں آنے والے تاریک ایام سے بے پروا ہو کر فضول خرچی اور اسرافِ بے جا کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور تاریک ایام کیلئے پس انداز کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ جب تاریک ایام آتے ہیں۔ تو ایسے شخص کو ناداری اور مفلسی کے ہاتھوں نالان ہونا پڑتا ہے۔ یقیناً اس شعر کے اندر بیمہ زندگی کی لطیف صورت موجود ہے کیوں کہ بیمہ زندگی انسان میں کفایت شعاری کی عادت ڈالنے کا مؤثر ترین وسیلہ ہے۔ مزید برآں آپ نے فرمایا ہے۔

بہ بیس آل بے حمیت راکہ ہرگز تن آسانی گزیند خویش را

نہ خواہد دید روئے نیک بختی زن و فرزند بجزا رو بہ سختی

اس کا اردو ترجمہ از او ایٹر :۔

خود گزارے عیش و عشرت میں جو اپنی زندگی استراحت سے کرے غفلت زن و فرزند کی

لعنت ایسے بے حمیت بے حیا انسان پر نیک بختی اسکے حصے میں نہ آئے گی کبھی

اس کا پنجابی ترجمہ از او ایٹر :۔

آپ کرے جو عیش و عشرت بیوی بچے تھیں ورتے غفلت

بد بختی دا رہوے شکار ایسے تائیں رب دی مار

## ہیمہ کمپنی کے کارندوں سے آخری گزارش

پاکستان میں ہیمہ کا کاروبار کرنے والے حضرات عموماً مسلمان ہیں خدا کے لئے اس چند روزہ کاروبار پر آخرت کو قربان نہ کریں۔ حرام معاملات پر حلال کا لیبل لگانے کے بجائے اس کی فکر کریں کہ امداد باہمی کی شرعی اور جائز صورت کو اختیار کریں جو رسالہ ہذا میں لکھ دی گئی ہے اور جو رقیبوں کی جمع ہوتی ہیں ان کو تجارت پر لگا کر سود کے بجائے تجارتی نفع تقسیم کریں جو سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور پوری قوم کے لئے نفع بخش جائز و حلال معاملہ ہے اور اگر خدا نخواستہ وہ خود حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر چند روزہ مال و دولت کمانے کو اپنا مقصد بنا ہی چکے ہیں۔ تو کم از کم اکابر علماء اور اہل فتویٰ پر اپنی رائے تھوپنے اور ان پر تہمت لگانے سے تو پرہیز کریں کہ یہ تحریف دین کا دوسرا گناہ ہے جس کی اس کاروبار میں کوئی ضرورت بھی نہیں۔

ہیمہ کے دنیاوی نقصانات :- کمپنی نے جتنے ہیمہ کے فوائد و منافع بیان کئے ہیں اس سے بڑھ کر اور بھی بتائے تو بھی انکار نہیں جس کسی شے کا نفع اس کے ضرر کو دفع نہیں کر سکتا لیکن یہ تو منظر ہے کہ زہر میں منافع بھی ہیں لیکن اس کا ضرر آخر ضرر ہی مسلم رہے گا ہیمہ کے کڑوروں وہی منافع مسلم لیکن جب یہ سود (ریو) ہے تو اس کا گناہ اور اس پر عذاب کہاں اٹھا کر لے جاؤ گے نام بدل دینا اس کی اصلیت کو نہیں مٹا سکے۔ کمپنی یا اس کے مؤیدین کتنا ہی زور لگائیں ان کی بیان کردہ شرائط پر ہیمہ سود (ریو) ہی ہے شراب بالآخر شراب ہے اس کا نام شربت یا کوئی اور نام تجویز کیا جائے اصلیت کے لحاظ سے وہ شراب ہے۔ ہیمہ 'انشورنس' سود (ریو) یہ اور بس (انشاء اللہ تعالیٰ) فقیر آگے چل کر دلائل سے ثابت کرے گا کہ یہ ہیمہ انشورنس سود ہے اور سو فیصد سود ہے۔ مسلمان کے لئے سب سے بڑھ کر اس سے اور کونسا ضرر ہوگا اس کے باوجود تجربہ شاہد ہے اور کچھ دور حاضرہ کا تقاضا بھی ہے کہ ہیمہ سے دنیاوی



نقصانات کے علاوہ دینی مضمرات بھی اس میں مضمر ہیں۔ (اس کی تفصیل آئے گی یہاں دینی مضمرات ملاحظہ ہوں)

۱ ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کسی وارث نے یمہ کی رقم وصول کرنے کے لئے مورث کو (جو یمہ دار تھا) قتل کرادیا۔

۲ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا قتل اس کا شاہد ہے۔ قرآن پاک اس کا گواہ ہے۔ اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ یمہ دار نے دھوکہ دیکر اپنی دکان یا اپنے مکان یا کسی اور چیز کی مالیت زیادہ ظاہر کردی اور اس کا یمہ کرادیا۔

اور کچھ عرصہ بعد سود کی رقم (جو اس کی مملوکہ شے کی مالیت سے معتد بہ حد تک زائد تھی) وصول کرنے کیلئے اس شے کو مخفی طریقہ سے خود تلف کر دیا۔ مثلاً آگ لگادی یا اور اسی قسم کی حرکت کی اور اس طرح نقصان کی تلافی کے ساتھ مزید نفع بھی اٹھایا اس قسم کے واقعات آج کل عوام نہیں بلکہ بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کا معمول بن چکے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے طریقوں سے بڑی سختی سے روکا ہے چنانچہ فرمایا لا تاكلوا اموالکم بینکم بالباطل اے ایمان والو باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ۔

۳ تجربات شاہد ہیں کہ جو دولت بے مشقت اور بے محنت ہاتھ آجاتی ہے آدمی اسے بہت بیدردی کے ساتھ خرچ کرتا ہے 'نوجوان اوارہ کو اگر باپ کے بعد یمہ کی رقم بغیر محنت و کوشش ملے گی تو ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسے بیدریغ صرف کرے گی، اسراف و تبذیر کی عادت فی نفسہ مذموم ہونے کے علاوہ افلاس و تباہی کا پیش خیمہ ہے جو اخلاقی خرابیاں ایسی صورت میں پیدا ہوئی ہیں ان کی تفصیل بے ضرورت ہے۔

۴ یہ بات نہایت واضح ہے کہ یمہ پالیسی کی خریداری میں سرمایہ دار طبقہ ہی پیش ہو سکتا ہے سود کی رقم اس کی دولت میں روز اضافہ کرے گی اس کا نتیجہ یہ ہوگا

کہ سرمایہ داری کے غلط نظام کو مزید ترقی ہوگی۔

(الطیفہ) جس نظام سے یہ حضرات رونا روتے ہیں اسے مختلف طریقوں سے نہ صرف رائج کر رہے ہیں بلکہ اپنی تمام تر طاقت اسی پر خرچ کر رہے ہیں عملی یا لاشعوری کسی میں (واللہ اعلم)

حقیقت یہ ہے :- اسلام نے کونسا شعبہ تشنہ تکمیل چھوڑا ہے الحمد للہ اسلام نے زندگی ہر شعبے کے ٹھوس اصول اور ضابطے عطا فرمائے ہیں۔

اس بیمہ (انشورنس) کا رواج دنیا میں عام ہو چکا ہے۔ اس کی ابتدا بھی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی امداد باہمی کے اصول پر ہوئی تھی۔ اب وہ رفتہ رفتہ ایک کاروبار بن گیا ہے۔ جس کی بنیاد دشمنان نے سود و قمار (جوئے) پر رکھ دی ہے۔ جس کا اسلام میں حرام ہونا ہر مسلمان جانتا ہے مگر اس کاروبار والوں نے اس کو امداد باہمی کا نام دے کر عوام کے لئے بلکہ حقیقت سے ناواقف اہل اسلام کے لئے ایک مغالطہ بنا رکھا ہے۔ اس سے عوام مسلمان سمجھتے ہیں کہ علماء بیمہ کے مخالف ہیں۔ ہم بیمہ کے مخالف نہیں اس کے طریقہ کار کے مخالف ہیں۔

بیمہ کا لغوی اور عرفی معنی

بیمہ انگریزی لفظ انشور (INSURE) کا ترجمہ ہے جس کے معنی لغت میں یقین دہانی کے ہیں۔ چونکہ کمپنی بیمہ کرانے والے کو مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کر دیتی ہے۔ اس لئے اسے انشورنس کمپنی کہتے ہیں اور دور حاضرہ کے غرض میں یہ ایک معاملہ ہے جو بیمہ کے طالب اور بیمہ کمپنی کے درمیان ہوتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں۔

۱۔ بیمہ کرنے والے سے ایک معینہ رقم بالاقسط وصول کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ

مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پس ماندگان کو (حسب شرائط) واپس کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ساتھ ایک مقررہ شرح فیصد کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے۔ اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ریوایا سود نہیں بلکہ یونس یعنی منافی ہے۔ (یہاں سے ہمارا ان کے ساتھ اختلاف شروع ہوتا ہے)

۲ کمپنی کا مقصد اس رقم کے جمع کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بطور قرض دے کر ان سے اعلیٰ شرح پر سود حاصل کرے یا کسی تجارت میں لگا کر یا کوئی جائداد خرید کر اس سے منافع حاصل کرے اس کے شرکاء اپنی ذاتی رقم خرچ کئے بغیر کثیر رقم بھورت سود یا منافع حاصل کرتے ہیں، اور اسی سود یا منافع میں سے بیمہ دار کو ایک حصہ دیتے ہیں۔

ممکن ہے کسی درجہ میں ان لوگوں کا مقصد مصیبت زدہ یا پریشان حال افراد کی امداد بھی ہو، لیکن اصل مقصد وہی ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا مگر اس کی بحث بے ضرورت ہے اس لئے کہ اس کا کوئی اثر نفس مسئلہ پر نہیں پڑتا ہے۔ بیمہ کرانے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ محفوظ رہے اور اس میں اضافہ بھی ہو اس کے علاوہ اس کے پس ماندگان کو امداد و اعانت حاصل ہو یا ناگمانی حادثات کی صورت میں اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ اور یہ اس کے لئے عین مراد ہے کہ گھر بیٹھے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے مفت مل جائے اور بلا تکلیف اسے اس سے کیا غرض کہ طریقہ حلال ہے یا حرام اگر کوئی مسلمان حرام و حلال کے چکر میں بھی پڑتا ہے تو کمپنی دھوکہ اور فریب سے مطمئن کر دیتی ہے کہ یہ کاروبار خالص اسلامی ہے نہ سود ہے نہ جو اوغیرہ۔

۳ بیمہ کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) زندگی کا بیمہ (ب) املاک کا بیمہ (ج) ذمہ داری کا بیمہ



الف۔ زندگی کا بیمہ : اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ سے بیمہ کے طالب کا معائنہ کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئی تو یہ شخص اتنے سال مثلاً بیس سال زندہ رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی بیس سال کیلئے اس کی زندگی کا بیمہ کر لیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کے لئے ایک رقم مابین طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے جو بالاقساط بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا ہے اور ایک معینہ مدت میں جب وہ پوری رقم ادا کر دیتا ہے۔ تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے۔ جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے کیا تھا تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جسے وہ نامزد کر دے یا اگر نامزد نہ کرے تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ جمع شدہ رقم مع کچھ مزید کے جس کو بونس (Bonus) کہتے ہیں۔ بخش ادا کر دیتی ہے۔

اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مر جائے خواہ طبعی موت سے یا کسی حادثہ وغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پس ماندگان کو حسب تفصیل مذکور پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے مگر اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص مدت مذکورہ کے بعد بھی زندہ رہے اس شکل میں بھی اسے رقم مع منافع واپس ملتی ہے۔ مگر شرح منافع کم ہوتی ہے، زندگی کا بیمہ تو پورے جسم کا بیمہ ہوتا ہے۔ لیکن اب انفرادی طور پر مختلف اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی بکثرت ہو گیا ہے۔ مثلاً ہاتھوں کا بیمہ، سر کا بیمہ، ٹانگوں کا بیمہ وغیرہ اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان شکلوں میں ڈاکٹر کسی ایک عضو کی زندگی با کارکردگی کا اندازہ لگاتا ہے اس کے اندازہ پر بقیہ معاملہ اسی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح زندگی کے بیمہ کی صورت میں اور واپسی رقم مع منافع کی شکلیں وہی تین ہیں۔ البتہ یہاں پورے جسم کی مدت کے قائم مقام صرف ایک حصہ جسم کی مدت یا

اس کے ناکارہ کرنے کو قرار دیا ہے۔

(ب) املاک کا بیمہ :- عمارت، کارخانہ، موٹر، جہاز وغیرہ ہر چیز کے بیمے کا رواج اب ہو گیا ہے۔ اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے، یعنی بیمہ دار ایک معینہ مدت کے لئے ایک رقم بالا قسط ادا کرتا ہے۔ اور کمپنی ایک معینہ مدت کے بعد اسے وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کرتی ہے اور اگر کسی حادثہ کی وجہ سے بیمہ شدہ املاک تلف ہو جائے، مثلاً کارخانہ میں یکایک آگ لگ جائے یا جہاز غرق ہو جائے یا موٹر کسی حادثہ میں ٹوٹ جائے تو کمپنی اس نقصان کی تلافی کرتی ہے اور اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم زیادہ شرح فیصد کے حساب سے بیمہ کرانے والے کو دیتی ہے۔

(ج) ذمہ داریوں کا بیمہ :- اس میں چھ کی تعلیم، شادی وغیرہ کا بیمہ ہوتا ہے کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ رقم وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی کی صورتیں وہی ہوتی ہیں۔

۴ بیمہ کرانے والے کو ایک معینہ رقم بصورت قسط ادا کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اگر چند ماہ (حسب قواعد و شرائط) اقسام ادا کرنے کے بعد بیمہ دار رقم کی ادائیگی بند کر دے تو اس کی ادا کی ہوئی رقم سوخت ہو جاتی ہے اور واپس نہیں ملتی۔ لیکن اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا قسط ادا کر کے حسب سابق قسط جاری کرالے بقایا قسط ادا کرنے کی صورت میں بھی بعض قواعد کے ماتحت قسط کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ سلسلہ منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

۵ بیمہ دار اگر سود نہ لینا چاہے تو کمپنی اسے اس پر مجبور نہیں کرتی اور حسب شرائط اس کو اصل رقم واپس کرتی ہے۔

۶ بیمہ دار دو سال تک قسط ادا کرنے کے بعد کم شرح سود پر قرض لینے کا ہو جاتا

ہے۔

فائدہ :- یہ امور کمپنی کی چھاپہ شدہ کاپی سے لئے گئے ہیں طالب دنیا یا عام انسان تو یہی چاہتا ہے کہ زندگی آرام سے گزرے بلا تکلف گھر بیٹھے مال و دولت کی تھیلیاں جمع ہوں وہ تمام کام کمپنی نے کر ڈالا اب مال لینے سے مسلمان کو سود مانع تھا اسے بھی کمپنی نے فتاویٰ سے زائل کر دیا اسی لئے (مفت راجہ گفت) مفت کا مال کون چھوڑے۔ مولوی کون لگتا ہے روکنے والا۔ ہم اس مولوی کو نہیں مانتے ہم کمپنی کے مفتیوں کی مانتے ہیں۔

خلاصہ :- بیمہ کی یہ مختلف شکلیں ہیں۔ لیکن ان سب کی حیثیت وہی ہے جو سب سے پہلے عرض کی جا چکی ہے یہاں اختصار کیساتھ مکرر پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار سے جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے، حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، حقیقت میں اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس میں ربا کے ساتھ ”غرر“ بھی پایا جاتا ہے۔ (غرر کی تفصیل آتی ہے)

بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے اور اس نفع میں سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے۔ جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس منفعت کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ بیمہ کرائیں، بینک بھی یہی کرتے ہیں البتہ اس میں شرح مختلف حالات و شرائط کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے بینک میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت :- بیمہ زندگی میں شرعی حیثیتیں تین ہیں۔ اول سود و سراقہ تیسرا معاہدہ کی بعض شرائط فاسدہ۔ اس لئے بصورت موجودہ اس کے جواز کی کوئی وجہ نہیں (تفصیل آتی ہے انشاء اللہ)



بیمہ کے شرعی موانع :- (۱) بیمہ سے مسلمان کا سرمایہ محض جمع ہو کر رہ جاتا ہے جب کہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اس کو خرچ کیا جائے اور مستحقین کے حقوق ادا کئے جائیں ارشاد باری ہے۔ ویسٹلونک ماذا یففقون قل العفو الابد آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ فرمادو: ضرورت سے چننا ہوا وفی اموالہم حق معلوم للسائل والمحروم اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے۔

(۲) مال کو حلال و جائز اکتساب پر صرف کیا جائے۔ جائز کاروبار میں ایک شعبہ شراکت اور مضاربت کا ہوتا ہے۔ جس میں فریقین نفع و نقصان میں شامل اور شریک ہوں۔ لیکن انشورنس کمپنی کے پروگرام میں یہ چیز شامل ہے کہ بیمہ دار صرف منافع ہی میں شریک ہوگا۔ اگر کمپنی کو کتنا ہی خسارہ پڑ جائے۔ اس سے طے شدہ کمیشن میں کوئی کمی نہ ہوگی جبکہ اسلامی نکتہ نظر سے فریقین بلا تعین منافع ہر دو یسٹو (نفع و نقصان) میں شریک ہوتے ہیں۔

(۳) بیمہ کرانے والے کو ایک معینہ رقم بھورت اقساط ادا کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اگر چند ماہ حسب قواعد و شرائط ادا کرنے کے بعد بیمہ دار رقم کی ادائیگی بند کر دے تو اس کی دی ہوئی رقم ناقابل واپسی ہو جاتی ہے یعنی اسے واپس نہیں ملتی۔ ہاں اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا اقساط ادا کر کے حسب سائن اقساط جاری کرالے بقایا اقساط ادا نہ کر کے اگر وہ سلسلہ کو منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ قواعد شرعیہ کی رد سے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جاسکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جاسکتی ہے مگر ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہو سکتا (کتاب البیوع وغیرہ میں اس قاعدہ کی مثالیں موجود ہیں)

(۴) اگر بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار یا تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے۔ اس نفع سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے۔ اس طرح قطع نظر اس رقم کے سودی ہونے کے وہ سودی کاروبار میں گردش کرتی رہ جاتی ہے جو کہ اسلام کے معاشی نظام کے خلاف ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ۔

لَا يَكُونُ دَوْلَتُهُ بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (پ ۲۸ الحشر)

تاکہ مال تمہارا مالداروں میں چکر نہ لگتا رہا۔

(۵) انشورنس کمپنی میں باقی قبائح کے علاوہ ایک قباحت یہ بھی ہے کہ بیمہ داران کو فرداً فرداً اپنے سرمایہ پر حق تصرف و اختیار حاصل ہوتا ہے۔

(۶) بیمہ دار جو رقم چھوڑ گیا اس کے ورثہ میں جس کو بلا محنت و مشقت دولت ہاتھ لگی ہو وہ بالعموم اس کو جائز طریقہ سے استعمال نہیں کرتا بلکہ اسراف و تبذیر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح بھی بیمہ داران کے ناجائز امور میں معاون ثابت ہو کر مجرم قرار پائے گا۔ جیسے دورِ حاضرہ میں سرمایہ داروں کی اولاد کا حال شاہدِ عدل ہے۔ وضاحت کی ضرورت نہیں۔

ہوشیار مرد مؤمن سود :- بیمہ کمپنی کا کاروبار سو فیصد سود ہے انشورنس کمپنی بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پسماندگان کو حسب شرائط واپس کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک مقررہ شرح فیصد کے حساب سے اصل رقم کے علاوہ کچھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے۔ گو اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ریو یا سود نہیں بلکہ یونس یعنی منافع ہے۔ تاہم نام کی تبدیلی سے اس کی حقیقت اور حکم تبدیل نہیں ہو سکے گا بلکہ اور خالصتاً سود ہی قرار پائے گا جس کو شریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔

احل الله البيع وحرم الربوا  
 اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام فرمایا  
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لا تتبعوا لذهب بالذهب لا مثلاً بمثل ولا تشقوا لبعضها على بعض ولا  
 تبعوا لورق بالورق الا مثلاً بمثل ولا تشقوا بعضها على بعض ولا تبعوا عنها  
 غائباً بحاضر (بخاری و مسلم)

سونے کو سونے کے عوض نہ پچو مگر برابر کوئی کسی کو زیادہ نہ دے۔ اور چاندی کو  
 چاندی کو چاندی کے عوض نہ پچو مگر برابر کوئی کسی کو زیادہ نہ دے اور نہ غائب کا تبادلہ  
 حاضر سے کرو ربوا کی حرمت سود عام ہے قرض کی صورت میں ہو یا دست بدست لین  
 دین کی صورت میں ایک ہی جنس کی اشیاء کے درمیان زیادتی کا معاملہ آنے کی  
 صورت میں۔ چنانچہ حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ کل قرض منفعہ فہو وجہ  
 من وجوہ الربوا بیہقی اور کل قرض جوبہ نفعاً فہو ربوا یعنی ہر وہ قرض جس سے  
 نفع اٹھایا جائے ربوا ہے۔ نہایہ ابن اثیر میں ہے ہو فی الشرع الزیادہ علی اصل  
 المال عن غیر عقد یتباع یعنی شریعت کی اصطلاح میں ربوا سے مراد اصل مال سے  
 زیادہ لینا ہے بغیر اس کے کہ فریقین میں بیع کا معاملہ ہوا ہو۔ یا کوئی اور بیمہ ہو یا بینک  
 رقم پر منافع پہلے ہی طے کر لیتے ہیں یہی سود نہیں اور کیا ہے کہ مثلاً ایک ہزار روپیہ  
 دیا۔ ۱۲ سو روپے لیا یہ زائد دو سو روپیہ کس شے کا ہے اسی کو قرآن و حدیث اور فقہ  
 بلکہ عام انسان سود کہتا ہے۔ بیمہ یا بینک اس کا نام منافع رکھ کر دے تو وہ کیسے حلال  
 ہو گیا کوئی کسی کو شراب پلائے اور کئے شربت پلا رہا ہوں تو کیا پینے والا شراب کی سزا  
 سے بچ جائے گا۔

مسئلہ :- اگر بیمہ دار اقساط مکمل ہونے کے بعد صرف اپنا اس المال ہی وصول



کرتا ہے سودی رقم نہیں لیتا تب بھی اس صورت کو جواز پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس کا سرمایہ ایسی کمپنی میں مخلوط و مستعمل ہے کہ جس میں ناجائز سرمایہ کے اجزاء موجود ہیں حلال کو حرام اور پاک کو نجس میں مخلوط کرنا منشاء ایزدی جل و علا کے خلاف ہے۔ منشاء ایزدی یہ ہے حتی یمیز الخبیث من الطیب پاک و ناپاک میں حد فاصل و امتیاز ہونی چاہئے۔

مسئلہ : بیمہ دار کے اپنا اس المال ہی وصول کرنے سے قطع نظر ایک قباحت یہ بھی موجود ہے کہ اس کے سرمایہ سے کمپنی جو سودی کاروبار کرے گی اس ناجائز کاروبار میں اس کا سرمایہ مدد و معاون ثابت ہوگا جس کا وبال اس پر بھی وارد ہوگا حالانکہ گناہ میں کسی کا تعاون امر الہی سے صریح حکم عدولی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان  
نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کرو گناہ اور تجاوز عن الحد پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

دیوانے کی بڑ :- ہمارے دور میں جہالت کا یہ حال ہے کہ جس نے دو چار کتابیں پڑھ کر داڑھی رکھالی یا کسی دارالعلوم سے منسوب ہو گیا وہ علامہ ہے اور پروفیسر، ڈاکٹری، وکالت پاس کر لی وہ مجتہد ہے۔ پھر اسے اگر نئی تہذیب کو خوش کرنے کے لئے اصول شریعت کو مصلحت پر روئے کار لانے کا شوقین ہے اور اسے حکومت کی سرپرستی بھی حاصل ہے اور امر او افسران سے اعلیٰ تعلق کا مالک ہے پھر وہی جو کہہ دے وہ حرف آخر ہے خواہ اصول اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ یہی حال بیمہ کے منافع کا ہے ایسے صاحبان نے جب سے فرمادیا ہے کہ بیمہ کے منافع سود نہیں بلکہ منافع تجارت ہیں اب ہماری کون سنتا ہے حالانکہ ان کا کہنا دیوانے کی بڑ سے کم نہیں اس لئے کہ اسلام جن پر نازان ہے وہ آئمہ و فقہاء و محدثین جو کچھ فرما گئے ہیں وہی

حق ہے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام بن حجر فتح الباری شرح بخاری ص ۲۳۶ ج ۴ میں لکھتے ہیں

وروی مالک عن زید بن اسلم فی تفسیر الایہ قال کان الربوانی الجاہلیہ ان  
سیکون الرجل علی الرجل حق الی اجل فاذا حل قال اتقضى امر تربی فان قضاء  
اخذ والا زادنی حقہ وزاد الاخر فی الاجل

امام مالک زید بن اسلم سے آیت ربوا کی تفسیر میں اس طرح روایت کرتے ہیں  
جاہلیت کا ربوا اس طرح ہوتا تھا کہ ایک کا دوسرے پر کوئی حق ہوتا تھا (حق عام ہے)  
قرض ہو، خریدی ہوئی چیز کی قیمت ہو یا کچھ اور) اور اس کی ادائیگی کی ایک مدت مقرر  
ہوتی تھی جب مدت آجاتی تھی تو وہ کہتا تھا کہ ادا کرو گے یا سود دو گے؟ وہ اگر ادا کر دیتا  
تھا تو رقم میں اضافہ نہیں ہوتا تھا ورنہ وہ اس کے حق ”مال میں اضافہ“ کر دیا کرتا تھا  
اور دوسرا اس کے عوض مدت بڑھا دیا کرتا تھا۔

(۲) ابن رشد الکبیر ”المقدمات“ میں لکھتے ہیں۔

وکان ربا الجاہلیۃ فی الدیون ان یکون للرجال علی الرجال الدین فاذا  
احل قال له اتقضى امر تربی فان قضاء اخذ والا زاده فی الحق وزاده فی لاجل  
فانزل اللہ فی ذالک ما انزل۔

جاہلیت کا ربوا (سود) دیون میں ہوتا تھا۔ ایک شخص کا دوسرے ذمہ کچھ واجب الادا  
دین ہوتا تھا جب ادائیگی کی میعاد آجاتی تھی تو وہ اس سے معلوم کرتا تھا کہ ادائیگی کا  
ازادہ ہے یا سود دینے کا اگر مدیون ادا کر دیتا تو دائن اپنی رقم (بغیر سود) لے لیتا ورنہ  
مدیون رقم میں اضافہ کر دیتا اور دائن میعاد میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت ربوا نازل  
فرمائیں۔

اس ربوا کو حلال سمجھنے والے کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں

فمن استحل الربا فهو كافر حلال الدم يستتاب فان تاب والا قتل قال الله عز وجل ومن عاد فباولئك اصحاب النار هم فيها خالدون

(بر حاشیہ المدونۃ الکبریٰ ص ۱۹ ج ۳)

جو شخص ربوا کو حلال سمجھے وہ کافر ہے جس کو قتل کرنا حلال ہے۔ پہلے اس سے توبہ کرائی جائے گی۔ توبہ کرے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ ممانعت کے باوجود پھر سود لیتے ہیں وہ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) امام محمد بن اور لیس الشافعی فرماتے ہیں

وذلك ان الربا منه يكون في النقد بالزيادة في الكيل والوزن ويكون في الدين بزيادة الاجل (كتاب الام ص ۱۲ / ۱۳ ج ۳)

ترجمہ :- ربوا نقد میں بھی ہوتا ہے اور ادھار میں بھی۔ نقد میں یہ ہے کہ ناپ تول میں اضافہ کر دیا جائے ادھار میں یہ ہے کہ معیاد کی زیادتی کے عوض دین (قرض) میں اضافہ کر دیا جائے۔

فائدہ :- یہ مسئلہ ایسا اجتماعی اور اتفاقی ہے کہ کسی کو اس سے سر مواعرف کی گنجائش نہیں ہے قاضی ابو الولید ابن رشد رقم فرما ہیں۔

علماء کا اتفاق ہے کہ ربوا دو چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ ۱۔ تجارت کی بعض صورتوں میں۔ ۲۔ اس چیز میں جو ذمہ میں آجائے۔ مثلاً خریدی ہوئی چیز کی قیمت یا قرض یا مسلم وغیرہ۔ ذمہ میں جو چیز آجائے اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو متفق علیہ ہے اور وہ زمانہ جاہلیت کا ربوا ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کی صورت یہ تھی کہ وہ میعاد کے اضافہ کے بدلے اصل واجب الادا رقم میں اضافہ کر دیا کرتے تھے وہ کہتے تھے



انظرونی از ذلك (مدت بڑھا دو میں اس کے عوض بڑھتی دے دوں گا' یہ وہی سود ہے۔  
جس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جاہلیت کا ریوا ختم کر دیا گیا ہے۔  
اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کے ریوا کو ختم کرتا ہوں“

(ہدایۃ الجہد ص ۱۰۶/ ج ۲)

(۴) شیخ ابو بحر بن العربی نے احکام القرآن میں آیت ریوا پر بڑی سیر حاصل عث کی  
ہے۔ اس کے ایک حصہ کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

الربا لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، زیادتی میں مزید علیہ یعنی وہ چیز جس پر زیادتی کی  
جائے، ہونا ضروری ہے، اس بنا پر اختلاف ہوا کہ یہ آیت ہر قسم کے ریوا کے حرام  
ہونے میں عام ہے یا یہ مجمل ہے۔ جس کے لئے حدیث کے بیان و تشریح کی ضرورت  
ہے؟ صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جو ریوا رائج تھا وہ بالکل مشہور و  
معروف طریقہ پر ان کے یہاں رائج تھا (اس میں نہ کوئی ابہام ہے نہ اجمال) ایک  
شخص کسی سے کوئی چیز خرید کر قیمت اسی وقت ادا نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ادائیگی کی ایک  
مدت مقرر کر لی جاتی تھی۔ جب میعاد پوری ہوتی تو فروخت کرنے والا خریدار سے  
پوچھتا۔ تیرا ارادہ ادائیگی کا ہے۔ یا سود دینے کا؟ جیسا وہ جواب دیتا اس کے مطابق عمل  
ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حرام فرمایا۔

یاد رہے کہ زیادتی مزید علیہ (جس پر زیادتی کی جائے) کے بغیر ممکن نہیں ہے لہذا  
جب کسی چیز کو غیر جنس (۱) کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے تو زیادتی (بڑھتی) ظاہر  
نہیں ہوتی اور جب جنس کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے جب بھی زیادہ اس وقت تک  
ظاہری نہیں ہوتی جب تک کہ شریعت اس کو ظاہر نہ کر لے (۲) اسی لئے یہ آیت  
بعض لوگوں کو مشکل معلوم ہوئی اور مختلف قسم کے اشکالات میں مبتلا ہو گئے لیکن جن  
حضرات کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علوم کی روشنی عطا فرمائی ہے۔ وہ آیت کریمہ کو  
سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں کرتے جن لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مجمل

ہے وہ لوگ در حقیقت شریعت کے محال قطعہ کو نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ایسی قوم کی طرف مبعوث فرمایا جن کی زبان 'عربی تھی' تجارت 'بیع اور ربو' وغیرہ الفاظ ان کے یہاں عام طور پر سمجھے جاتے تھے لہذا ان کو ان معاملات میں صحیح اور سچی بات کی ہدایت کی اور ان چیزوں سے منع کیا جو ناجائز اور غلط تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے 'واضح رہے کہ یہاں باطل سے مراد یہ ہے کہ کسی کے مال کو عقد معاوضہ میں بغیر عوض کے لے لینا۔

حاشیہ :-

- (۱) مثلاً روپے کا عوض کوئی جنس گیسوں کیڑا وغیرہ خریدا جائے۔
- (۲) چنانچہ شریعت نے ہدایت کی کہ اس صورت میں زیادتی نہ کی جائے۔ بلکہ برابری کے ساتھ موازنہ کیا جائے۔
- (۳) باطل تو ہر حال میں حرام ہے خواہ رضامندی ہو یا نہ ہو 'تجارت میں رضامندی کی قید لگائی ہے۔ شریعت نے جن معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے ان میں طرفین کی رضامندی مؤثر نہیں۔

اور تجارت 'بیع (خرید و فروخت) کے ہم معنی ہے (پھر اس کی قسمیں بتلائی ہیں) اور ربو الغت میں زیادتی (بڑھوتری) کو کہتے ہیں اور آیت میں ربو اسے مراد ہر وہ زیادتی ہے جسکے مقابلے میں عوض نہ ہو۔ دونوں آیتوں کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع مطلق کو حلال کیا ہے جس میں بشرط صحت قصد و عمل معاوضہ پایا جائے اور جس میں معاوضہ اس طریقہ پر نہ پایا جائے وہ حرام ہے اہل جاہلیت میعاد اور مدت کے عوض میں

بڑھتی کے خواہاں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ بیع تو ریوا کی طرح ہے یعنی جس طرح ایک شخص قیمت میں زیادتی لے سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے کہ میعاد پر نہ دینے کی صورت میں مدت کے عوض زیادتی لے لے۔ ان کے اس خیال باطل کو رد فرمایا۔

قاعدہ :- اموال ریو یہ میں معاوضہ کی مقدار (یعنی مساوات) شریعت نے اپنے ذمہ لے لی ہے اب کوئی شخص ان میں زیادتی کسی طرح کی میعاد وغیرہ کے مقابلہ میں نہیں لے سکتا (احکام القرآن ص ۲۴۲ / ج ۱)

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ریوا کی بڑی جامع و مانع تعریف بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

الرباء هو القرض على ان يردى اليه اكثر وافضل مما اخذ

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶ / ج ۲)

ریوا وہ قرض ہے جو اس شرط پر ہو کہ قرض دار، قرض خواہ کو جتنا لیا ہے۔ اس سے زیادہ اس سے اچھا واپس کر دے۔

ریوا شرعی پر علامہ محمود الحسن خاں ٹوکی صاحب معجم المصنفین نے بڑی دقیق بحث فرمائی، ہم یہاں اس کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں۔

ریوا اور بیع لغات عرب میں سے ہیں، جب تک کوئی اصطلاح شرعی توقیفی، خلاف لغت کے مغير نہ ہو، کتاب و سنت کے معنی لغت عرب سے معلوم ہوتے ہیں، ریوا الفتنہ ”زیادہ“ ہے اور لسان العرب وغیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حقیقت بیع کی ”معاہدہ فی تعاوض الاموال“ ہے۔ پس لغوی اعتبار سے ریوا کی تعریف یہ ہے کہ تعاوض الاموال کے معاہدہ میں عوضین مماثلین میں سے ایک عوض کا دوسرے عوض پر زیادت مذکور ہونا ”مذکور نہ ہو بلکہ معروف ہوا سکا بھی یہی حکم ہے) باجماع امت ریوا دو قسم پر ہے ایک حسی جس کو کتاب اللہ نے لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفہ میں بیان فرمایا۔ اور



حدیث صحیح الفضل ربوا میں اسی حسی ربوا کو ہی بیان کیا گیا ہے اور حدیث لاتاخذ والدینار بالدينارين ولا الدرهم بالدرهمین رطبوانی عن ابن عمر بھی حق ربوا کتاب اللہ کی تفسیر سے اور تفسیر اعتصاف کے تحت داخل ہے۔ حدیث بخاری کی ربا حسی کی مفسر ہے۔ الذہب بالذہب مثلاً مثل (رو البخاری) یعنی فضل ربوا ہے۔ پس اسی حسی رباء شرعی کی بھی وہی تعریف ہے۔ جس کی عربی عبارت یہ ہے۔ افضل الخال عن العوض المشروط فی البیع "دوسرا رباء "کمی" ہے کہ حاسا قاضل عوضین میں نہیں ہے لیکن شارع نے سد الباب الرباء صورت تماثل کو بھی "ربوا حسی" کے حکم میں قرار دیا ہے جب کہ معاوضۃ یدایید نہ ہو کیونکہ مادہ ربوا کا تاخیر و تاویل ہے اور بغیر تاخیر کے فضل غیر متاعمل ہے اسی معنی پر محمول ہے حدیث مسلم لا ربا فیما کان یداییدا فضل حسی کا دروازہ اسی "رباء حکمی" سے مفتوح ہے کہ تجارت حاضرہ میں فضل حسی عادتاً ناممکن ہے۔ اسی رباء حکمی کو شارع نے حدیث نبوی ﷺ عن بیع دینار اور حدیث الذہب بالورق ربا الاہاء وھا الحدیث فی الاشیاء الستہ میں بیان فرمایا ہے۔

فائدہ :- ان تمام حوالہ جات کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

- (۱) ربوا شرعی اصطلاحی قرض اور تجارت دونوں میں پایا جاتا ہے۔
- (۲) ربوا شرعی کو تجارت کی صرف چند شکلوں کے ساتھ خاص کرنا اسلام پر افترا ہے۔
- (۳) اسلام کی نظر میں "عام سود اور تجارتی سود" دونوں حرام ہیں صرف عام سود کو "حرام" قرار دینا اور "تجارتی سود" کو جائز قرار دینا شریعت سے ناواقفی کی دلیل ہے۔
- (۴) ہر وہ چیز جو ذمہ پر آجائے اس میں زیادتی "مشروط یا معروف" طریقہ پر لینا سود ہے خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی یا اسکیم کی شکل میں ہو۔
- (۵) انشورنس اور بینکنگ میں شرعی ربوا پایا جاتا ہے۔
- (۶) زیادتی کی شرط کا لفظوں میں بیان کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جو شرط معروف ہو وہ

بھی مشروط کے حکم میں ہے۔

شریعت میں حقیقت کا اعتبار ہوتا ہے ”تسمیہ“ (نام رکھ لینے) کا نہیں۔

قاعدہ : اسلام کا ایک مشہور قاعدہ ہے انما العبرہ فی العقود للمعانی لا الالفاظ یعنی کسی معاملہ کی حقیقت کا اعتبار ہوگا اور اس کے لحاظ سے شرعی احکام جاری ہوں گے نام رکھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ریوا کا نام اگر ”منافع“ رکھ لیا جائے تو اس سے وہ حلال نہیں ہوگا بنی اسرائیل پر جب چرلی حرام ہو گئی تھی تو انہوں نے اس کا دوسرا نام رکھ لیا تھا اور کھانا شروع کر دیا تھا۔

قاعدہ :- شریعت نے جن عقود و معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور ان میں حرام و حلال کا فیصلہ فرما دیا ہے ان میں طرفین کی رضامندی اس پر اثر انداز نہیں ہوگی جو (قمار) :- جو کا نام سن کر سچا پکا مسلمان گھبراتا ہے کہ ایسا گندادھندا توبہ توبہ لیکن ہمہ کمپنی نے مسلمان کو بھولا بھالا سمجھ کر ایسے رنگ سے اس کے ساتھ جو کھیلا ہے جسے اب وہ جو بھی کھیل رہا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے جو نہیں امداد باہمی ہے۔ مثلاً ہمہ کمپنی کے القادوبارہ پڑھئے وہ لکھتے ہیں۔

پالیسی کی مقررہ میعاد ختم ہونے سے قبل اگر خدا نخواستہ ہمہ دار کا انتقال ہو جائے تو ہمہ کی کل رقم اور جمع شدہ بونس کی رقم ہمہ دار کے ورثاء کو ادا کر دی جاتی ہے۔ (یہی حال باقی قسموں کا ہے)

جو تو ہے حوادث کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ واقع ہوں گے یا نہیں اور ہوں گے تو کب اور کس پیمانہ پر اور اس مبہم اور نامعلوم چیز پر کسی نفع کو معلق کرنا ہی قمار ہے جس کو قرآن کریم نے بلفظ میسر حرام قرار دیا ہے ہمہ کا مدار ہی اس نامعلوم اور مبہم نفع کی امید پر ہے جو بلاشبہ قمار میں داخل ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان کو میت کا یا دیگر نقصان کا معقول معاوضہ مفت مل رہا ہے اس لئے انجام پر نگاہ ڈالے بغیر نہیں سمجھتا

کہ یہ معاوضہ جنم میں تو نہیں لے جائے گا۔ تو اسے یقین ہونا چاہئے کہ صورت مذکورہ بلاشبہ قمار ہے، قمار کے بارے میں علمائے شریعت نے جو قاعدہ لکھا ہے وہ یہ ہے، 'تعلیق المملک علی الخطرو المال فی الجانبین' یعنی ملک کو کسی ایسی چیز پر موقوف کرنا جو ہونے یا نہ ہونے کا احتمال رکھے جس طرح بیمہ ہوتا ہے کہ اگر پہلے مر گیا تو اس قدر رقم کا مالک ہوگا ورنہ اتنی رقم نہیں ملے گی۔ قمار (جوا) ہونے کی دوسری شرط یہ بھی ہے کہ دونوں طرف مال ہو اگر ایک طرف مال ہو دوسری طرف نہ ہو تو قمار نہیں ہے۔ اور بیمہ پر یہ قاعدہ صادق آتا ہے اسی لئے اسیر قمار کا حکم لگایا جائے گا اور قمار کا حرام ہونا بھس قرآن ثابت ہے۔ قمار کی حرمت میں غرر اور خطر کی ساری صورتیں داخل ہیں۔ ابو بکر الجصاص الرازی آیت میسر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ولا خلاف بین اهل العلم فی تحريم القمار وان المخاطره من القمار وان المخاطره من القمار قال ابن عباس ان المخاطره قمار وان اهل الجاهلیہ کانو یخاطرون علی المال والزوجه وقد کان ذالک مباحا الی ان ورد تحريمه

(احکام القرآن ص ۳۸۸ / ج ۱۲۰)

قمار (جوے) کی حرمت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اسی طرح اس امر میں بھی کہ "خطر" کی ساری صورتیں قمار میں داخل ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "خطر" قمار ہے اہل جاہلیت مال اور بیوی سب کو جوئے کی بازی پر لگادیا کرتے تھے اور شروع میں اس کی لباحت تھی یہاں تک کہ اس کی حرمت نازل ہو گئی۔

غرر اور خطر میں انجام سے بے خبری ہوتی ہے، ملک العلماء فرماتے ہیں۔

والغور ماہد کون مستورا العاقبہ غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو اور بیمہ شدہ شخص یا شے کا وقت سے پہلے تلف ہونا معلوم نہیں ہوتا اور نہ کوئی وقت حاصل یہ ہوا کہ مال کو بازی پر لگانا اور انجام سے بے خبر ہونا جوا ہے، اسی طرح وہ معاملہ جس میں دونوں طرف مال ہو اور انجام معلوم نہ ہو قمار کی حدود میں داخل ہے



خواہ وہ خرید و فروخت کی شکل میں ہو یا ہمہ کی شکل میں

حضرت امام مالک بن انسؒ اسی قسم کے ایک معاملہ کی مثال دیتے ہیں۔

ان یعمد الرجل الی الرجل قد ضلت راحلته او دابته او غلامه و ثمن هذه الاشياء خمسون دینارا فبقول انا اخذها منك بعشرين دینارا فان وجدها المیتاع ذهب من مال البائع ثلاثین دینارا او ان لم یجدها ذهب البائع منه بعشرين دینار و هما لا یدریان کیف یکون حالها فی ذلك ولا یدریان ایضا اذا وجدت تلك فاتته کیف توخذ یا احدث فیها من امر الله ممما یکون فیہ نقصها و زیادتها فهذا اعظم المخاطره (المدونة الکبریٰ ص ۳۵۲/ ج ۳)

ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پاس آجائے جس کا اونٹ یا کوئی جانور یا غلام گم ہو گیا ہو اور ان کی قیمت مثلاً پچاس دینار ہو، وہ جا کر کہے کہ میں اس سے گمشدہ چیز کو بیس دینار میں خریدتا ہوں سو اگر خریدنے والے کو گمشدہ چیز مل جاتی ہے تو مالک کو تیس دینار کا نقصان ہوگا اور اگر نہیں ملتی تو اس کو بیس دینار مفت میں مل جائیں گے، ان دونوں کو معاملہ کرتے وقت کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوگا وہ چیز ملتی ہے یا نہیں اور اگر ملتی بھی تو کس حال میں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں زیادتی کی ہو چکی ہے یہ سب خطر میں داخل ہے

سوالات و جوابات

سوال : ہمہ کمپنی اپنی حاصل کردہ رقم بڑے بڑے کارخانوں پر خرچ کرتی ہے اور ان سے جو منافع حاصل ہوتا ہے اسے وہ اپنے حصہ داروں میں تقسیم کرتی ہے۔ سو یہ ایک قسم کی تجارت ہے۔ اس لئے اس کا منافع جائز ہوگا۔

جواب : ہمہ کمپنی جو منافع اپنے حصہ داروں میں تقسیم کرتی ہے اس کی مدت و شرح مقرر ہوتی ہیں اور یہ بھی ہم سب مانتے ہیں کہ ثمن کے عوض بیع کے منافع

متعین نہیں ہوتے اگر کوئی قبل از وقت صرف منافع ہی متعین کرے نقصان کی بات ہی نہ ہو مثلاً کسی کو ہزار روپیہ دے کر کاروبار کا کما شرکت یا مضاربیت وغیرہ تو ابھی سے کہہ دیا اس ہزار کی واپسی کے ساتھ دو سو روپیہ زائد لونگا یا دو ٹنگا یہی (سود) ہے اسی طرح یہ منافع بھی خالص سود ہے۔ آخر بینک جو رقوم حاصل کرتا ہے وہ بھی تو انہیں بڑے بڑے کاروباری لوگوں کو قرضہ دیتا ہے اور ان سے حاصل کردہ منافع اپنے حصہ داروں میں مقرر مدت و شرح کے ساتھ تقسیم کرتا ہے تو پھر بینک کے سود اور بیمہ کمپنی کے سود میں کون سا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ ہاں کمپنی اور اس کے کارکنوں اور خیر خواہ لیڈروں مولویوں نے اس کا نام بدل دیا ہے ظاہر ہے کہ محض نام بدل دینے سے کسی معاملہ کی حقیقت نہیں بدلتی بیمہ کمپنی کے منافع بلاشبہ سود ربا کی تعریف میں داخل ہیں بینک کے سود کو ربا کی تعریف سے خارج کرنے کے لئے جو وجہ بعض نو تعلیم یافتہ حضرات نے لکھے ان کا جواب خود ان کا اپنا عمل نامہ ہی کافی ہے کہ صریح نصوص کے مقابلہ میں اپنے غلط قیاسات پیش کر رہے ہیں۔

سوال : بیمہ کرنے والے بہت سے علماء اور پیر صاحبان بھی بلکہ بہت سے علماء کے فتاویٰ بھی ہیں جو جواز کہتے ہیں؟

جواب : کتاب کے شروع میں فقیر نے اہلسنت بریلوی علماء کرام اور دیوبندیوں کی تحقیق سے لکھا ہے کہ علماء کرام کو بدنام کرتے ہوئے ان کے نام لئے گئے بعض کے غلط فتاویٰ چھاپ دیئے بعض علماء نہیں لیڈر محض ہیں اگر خدا نخواستہ کسی عالم کا غلط فتویٰ ہے تو بھی ہمارا یہی مشورہ ہے کہ کسی غلط فتویٰ کو دیکھ کر بیمہ یا انشورنس کے ناجائز کاروبار میں شریک نہ بنیں۔ اور نہ یہ دیکھیں کہ ہمارے علاقہ کے فلاں بڑے مولوی صاحب یا پیر صاحب اس کاروبار میں شریک ہو گئے ہیں۔ کیونکہ دین قرآن و سنت کا نام ہے کسی مولوی یا پیر صاحب کے عمل اور قول کا نام نہیں جبکہ ان کا وہ قول

و عمل قرآن و سنت کے خلاف ہو اور یمہ و بینک تو سودی کاروبار کے سوا چل ہی نہیں رہے۔

سوال : فقہ اسلامی مولی الموالاہ ایک مستقل باب سے یمہ کے اصول اس سے ملتے جلتے ہیں فلہذا اس پر قیاس کر کے یمہ موجودہ صورت میں جائز کیا جائے ؟

جواب : یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عقد موالات کا جواز جو بروایت ابو داؤد حضرت تمیمؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے وہ صرف نو مسلموں کے لئے ہے جن کا کوئی وارث مسلمان موجود نہ ہو اگر وہ کسی شخص سے بھائی چارہ کا معاہدہ کر لیں تو وہ ایک حیثیت سے ان کا قرار پائے گا۔ زندگی میں جو جنایات کی دیت کسی بھائی پر عائد ہوتی ہے وہ اس شخص پر عائد ہوگی اور مرنے کے بعد اس کی وراثت کا یہ حقدار قرار پائے گا یہ عقد موالات حدیث مذکور کی بنا پر صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس کا کوئی مسلمان وارث نہ ہو اور جس کا کوئی مسلمان وارث نزدیک یا دور کا خواہ عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے موجود ہو تو اس کا یہ عقد موالات کسی شخص سے باطل و کالعدم ہے۔ کیونکہ وارث کا حق تلف کرنے کا اس کو اختیار نہیں۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔ وان كان له وارث فهو ادنى منه وان كانت عمته او خالته او غیرهما من ذوی الارحام (کتاب الولاء) اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ عقد موالات جو صرف نو مسلموں کے لئے لاوارث ہونے کی حالت میں جائز کیا گیا ہے۔ اس پر عام امداد باہمی کے معاہدہ کو قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ یمہ کے کاروبار میں نظر آتی ہے نہ یمہ پالیسی خریدنے والوں کے معاملات سے اس کا کوئی ثبوت مل سکتا ہے۔

سوال : یمہ امداد باہمی ہی تو ہے اور امداد باہمی اسلام کی عین مراد ہے فلہذا جائز ہے۔

جواب : در حقیقت مروجہ یمہ کو امداد باہمی کہنا ایک دھوکہ ہے اور یمہ اور سٹہ سے



سودی کاروبار پر آنے والی نحوست کو پوری قوم کے سر پر ڈالنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے نہ تو یہ ہے کہ سودی کاروبار کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ دس ہزار کا سرمایہ رکھنے والا اپنے دس ہزار کے ساتھ بینکوں کے ذریعہ پوری قوم کے نوے ہزار مزید بطور سودی قرض وصول کر کے مثلاً ایک لاکھ کا کاروبار کرتا ہے۔ اگر اس تجارت میں نفع ہوتا ہے تو وہ سارا کا سارا کاروبار کرنے والے کا مال ہے۔ برائے نام دو فیصد یا چار فیصد حساب سے قومی سرمایہ کا سود ہوتا ہے جو بینک حصہ داروں میں تقسیم ہو کر ایک بے منفعت اور بے فائدہ اضافہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ کاروبار کرنے والے کے لئے ایک لاکھ کے دو لاکھ ہو جاتے ہیں اور اس کی سرمایہ داری بڑھتی جاتی ہے اور اگر فرض کیجئے کہ اس کی تجارت پر زوال آیا اس کا سرمایہ بھی ڈوب گیا تو اس کا نقصان صرف دس ہزار کا یعنی دس فیصد ہوا۔ باقی سرمایہ پوری ملت کا تھا۔ ان کا نقصان نوے فیصد ہوا اول تو یہی ظلم کچھ کم نہیں کہ قوم و ملت کو نفع ملے تو چار فیصد کے حساب سے ملے اور نقصان ہو تو نوے فیصد کے حساب سے پہنچے اس کے علاوہ سودی کاروبار کرنے والے خود غرض لوگوں نے اپنے دس ہزار کے نقصان کو بھی پوری قوم کے سر ڈال دینے کے لئے دو طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ ایک بیمہ دوسرا سٹہ کیونکہ تجارت میں نقصان دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ کبھی کوئی حادثہ آگ لگ جانے یا جہاز ڈوب جانے وغیرہ سے پیش آجائے اور کبھی سامان تجارت کی قیمت گھٹ جائے تو نقصان ہوتا ہے۔

پہلے نقصان کو جو خالص اس کی ذات پر پڑنے والا تھا اس کو بیمہ کے ذریعے پوری ملت کے سرمایہ پر ڈال دیا اور دوسرے نقصان سے بچنے کے لئے سٹہ کا بازار گرم کیا کہ جب ذرا نقصان کا خطرہ نظر آئے تو اپنی بلا دوسرے کے سر ڈال کر خود نقصان سے صاف اور بیباک ہو جائے اسی طرح اگر موجودہ طریق کاروبار کی گہرائیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیمہ اور سٹہ در حقیقت سودی کاروبار ہی کے تتیات ہیں جن

کے ذریعہ پوری قوم کے نفع و نقصان سے قطع نظر صرف اپنا پیٹ پالنے اور اپنے سر آئے ہوئے نقصان کو دوسروں کے سر ڈالنے کے لئے بڑی ہوشیاری اور خوبصورتی سے اس کو قومی ہمدردی اور امداد باہمی کا عنوان دیا گیا ہے۔

سوال : اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح و حاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر الضرورات تیج الموزورات جو اسلام کا بڑا اہم قاعدہ جائز قرار دیا جائے اور دور حاضرہ کے ضروریات و مصالح ایسے سنگین ہیں کہ اگر دور سابق کے فقہائے کرام آج موجود ہوتے تو مجبور ہو کر پکار اٹھتے کہ یمہ لازمی اور ضروری ہے۔

جواب : ضروریات و مصلحات کی نصوص قطعہ کے آگے ذرہ بھر بھی وقعت نہیں رکھتیں اسلام نے ضرورات کی اباحت کے بھی درجات اور اس کا حل بھی بتایا ہے اور مستقل طور پر اس کے اصول و ضوابط بنائے اور قیامت تک آنے والے حالات و اطوار کی تبدیلی میں پیش آنے والے واقعات و حادثات کی فکر اور اس کا دفاع اسلام نے اپنے مکمل ضابطہ حیات ہونے کی حیثیت سے علی وجہ اتم ان کا حل بیان فرمایا اور مکمل دفاع کیا ہے۔ مثلاً نظام زکوٰۃ و عشر، خمس اور قانون وراثت وغیرہ کے بعد کسی چیز کی گنجائش و ضرورت حیات انسانی کے لئے نہیں رہ جاتی البتہ اس طرح کی کمپنیوں کے پروگراموں میں ملوث ہو کر مسلمان کی توجہ نظام اسلام سے ہٹتی چلی جاتی ہے۔ جس کی اسلام ہرگز اجازت دینے کو تیار نہیں اور نہ ہی سچا پکا مسلمان اس کا روادار ہے کہ اس کے ہاتھ سے اسلام کا دامن چھوٹ جائے۔

فائدہ :

مصالح کے لئے تین شرطیں ہیں۔

(۱) مصالح کے لئے جو قانون بنایا جائے وہ شریعت کے مطابق ہو نہ کہ خلاف۔

(۲) عام عقول اس قانون کو قبول کریں۔

(۳) وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے والا ہو۔ (امام شافعی کی الاعتصام ص ۱۱۰/ج ۱)  
 امام موصوف نے المواقعات میں لکھا کہ وہ معتبر ہیں کہ شریعت کی نگاہ میں مصالح  
 ہوں صرف چند ظاہری فائدوں کو مصالح نہیں کہا جائے گا مثلاً شریعت نے نکاح فاسد  
 کو قابل قبول نہیں سمجھا حالانکہ اس میں مصالح نظر آتے ہیں جیسے نسب کا ثابت ہونا  
 میراث کا دیا جانا امام موصوف نے آخر میں فرمایا۔

وہی مصالح قابل اعتبار ہیں جو اسباب مشروعہ سے حاصل ہوں اسباب غیر مشروعہ  
 سے حاصل ہونے والے مصالح نہیں ہیں۔

سب سے بڑا اہم امر یہ ہے کہ ایسے احکام جو قرآن و حدیث میں منصوص ہیں وہاں  
 مصالح کی بات اللہ و رسول جل جلالہ ﷺ سے مقابلہ کرنے والا معاملہ ہے اور ریوا و  
 قمار دونوں کو قرآن و حدیث میں حرام قرار دیا ہے اور صریح نص سے اب اس کے بعد  
 مصالح کا سہارا ڈھونڈنا بے دینی والحاد نہیں تو اور کیا ہے۔

### خلاصہ

امور بیمہ مع شرعی جوہات : ایک صاحب نے بیمہ زندگی کے اصول و شرائط  
 کو مختصر کر کے سوالات کے طور لکھے ہیں فقیر اس کے مختصر جوہات لکھتا ہے تاکہ بیمہ  
 کی سود و قمار کی لعنت سے اگر کوئی چٹنا چاہے تو اسے طویل مضمون چھانے خلاصہ ہذا  
 مد نظر ہو۔

(۱) اس میں کہنی جو رقم بطور یونس دیتی ہے جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع  
 رکھتی ہے۔ شرعاً سود ہے۔

جواب : ہاں سود ہے اس کا نام یونس (منافع) بدلا تو کیا ہوا نام بدلنے سے شے کی  
 حقیقت نہیں بدلتی جیسے کوئی شراب کا نام شربت بدل کر پینے لگے۔



**انکشاف :** بیمہ کا طریقہ کار سراسر سود پر مبنی ہے اس لئے کہ بیمہ داروں سے جو رقم وصول کرتی ہے وہ ضرور تمندوں کو سود پر قرض دیتی ہے بقول ان کے وہ تجارت کے امور پر روپیہ کرتے ہیں تو بیمہ داروں کو کل اقساط کی ادائیگی پر جو رقم زائد بطور منافع دیتی ہے وہی سود تو ہے کیونکہ بیمہ داروں کو کل اقساط کی ادائیگی پر جو رقم زائد بطور منافع دیتی ہے وہی سود تو ہے کیونکہ بیمہ دار جو رقم بصورت اقساط جمع کرتا ہے وہ یا تو دین ”قرض“ ہے یا امانت ہے یا تجارتی کا حصہ دار جو بھی کمپنی کہے اور دین ”قرض“ میں میعاد کے پورا ہونے پر ایسے ہی امانت کا مال ہے یا تجارتی حساب و کتاب وقت جو منافع مشروط یا معروف دیا جائے مثلاً یہ کہا گیا تھا زبانی یا تحریری سواروپیہ فی سیکڑہ گیا۔ یہ بھی مشروط کے حکم میں ہے اسے فقہاء کرام نے بہت بڑا استعمال فرمایا کہ المعروف کا المشروط یعنی معروف بھی مشروط کی طرح ہے فلہذا جو زائد رقم لی گئی یہی شرعی سود تو ہے۔ خلاصہ یہ بیمہ کمپنی اور بینک کا کاروبار سود ہی ہے صرف شکل کا فرق ہے جسے لفظی فرق کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں۔

**سوال :** معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شے وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہو تو اتنی جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار کے حدود میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ (یانہ)

**جواب :** حکم کھلا قمار (جوا) ہے کیونکہ قمار اسی کا نام ہے کہ کسی معاملہ میں نفع و نقصان کو کسی غیر معین و غیر معلوم چیز پر معلق رکھنے کا نام قمار (جوا) ہے اور جوا (قمار) بت پرستی (شرک) کے برابر اور شیطانی فعل ہے اللہ نے فرمایا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه (پ ۷)

بے شک شراب اور بت اور پانے پلید ہیں اور شیطانی عمل ہے تو اس سے بچو۔

**سوال :** جو رقم بیمہ دار کو کمپنی دیتی ہے اس سے انکار کر کے اصل رقم لے لے یہ جائز

ہے یا نہیں؟

جواب : سود کے ساتھ ہی ساتھ بیمہ زندگی یا املاک میں قمار کی جو صورت ہوتی ہے اس میں بھی احتراز کرے تب گنجائش نکل سکتی ہے لیکن ریوا اور قمار کے کاروبار کی اعانت و امداد کی قباحت بدستور رہے گی۔ اور گناہ کی اعانت اور مدد بھی گناہ ہے اس لئے ان سے ایسا لین دین کرنا ہی نہیں چاہئے۔

سوال : جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے اسے ریوا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ : بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

جواب : یہ بھی سراسر دھوکہ اور فریب ہے اس لئے کہ تبرع و احسان کی کوئی علامت یہاں موجود نہیں۔ تبرع و احسان پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ جبراً وصول کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی بدیہی ہے کہ کمپنی کو براہ راست کسی غریب مصیبت زدہ سے کوئی ہمدردی نہیں کہ وہ اس مد میں کچھ خرچ کرے وہ خالی ایک تجارت یا کاروباری ہے جو اس نظریہ پر قائم ہے کہ عادیۃ حوادث کا اوسط کیا رہے گا اور کمائی کا اوسط کیا۔ حوادث کے اوسط کو حاصل شدہ رقم کے اوسط سے بہت کم محسوس کر کے باقیماندہ منافع کے لئے یہ کاروبار جاری ہے۔ کمپنی اگر تبرع و احسان کی دعویدار ہے تو پھر اس حصہ دار بیمہ دار کی کیا تخصیص ہے اس سے زیوں حال لوگ بہت ہیں انہیں کیوں نہیں دیا جاتا یہ تو وہی ہوا کہ اندھے کریں خیرات تو باز بار دیں اپنوں کو یہ تبرع و احسان نہیں بلکہ رشوت ہے اور الراشی والمرتشی کلاہما فی النار لینے دینے والے سیدھے جہنم میں۔

سوال : اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانہ حکومت

میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے۔ زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر ”ریوا“ کے حدود سے خارج ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

جواب : حکومت ہو یا نجی کمپنی سود بہر حال سود ہے عطیہ حکومت اسی رقم کے عوض ہے تو حرام ہے اگر ویسے دوسری مدت کی حیثیت سے ہے تو اگرچہ اتقاء کے خلاف ہے لیکن جائز ہوگا۔

سوال : فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار ہی حکومت کے ہاتھ میں ہے ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے؟

جواب : درست ہے اس لئے مال حرام ہو جائے حرام رفت لیکن یہ اسے کیسے معلوم ہوگا کہ ٹیکس اتنا آتا ہے اور یہ مال سے اتنا مبہم مجہول کھیل کھیلنے کا کیا فائدہ۔ بہر حال اتنا لے کر حکومت کے ناجائز کھاتہ میں ڈال سکتا ہے لیکن جو زائد چ جائے گا وہ بھی اس کے لئے حرام ہے یا کسی ایسے دوسرے کو دے جو حکومت کے ناجائز کھاتہ کو سر کرے۔

سوال : سود کی کل رقم بصورت ٹیکس و چندہ خود حکومت کو دیتا ہے؟

(الف) ایسے کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے مگر وہ لاپرواہی یا کسی دشواری کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی مثلاً کسی جگہ پل یا راستہ بنوانا کسی تعلیمی ادارے کو امداد دینا، کتواں کھدوانا، یا ٹل لگوانا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

(ج) ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے، مگر عام طور پر رعایا ان کے بارے حکومت کی امداد چاہتی ہے، اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے۔ مثلاً کسی جگہ کتب خانہ



کھول دینا وغیرہ تو کیا مندرجہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی اور ریوالینے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

جواب : ان میں جواز کی صورتیں نکل سکتی ہیں لیکن خدا ترس انسان کے لئے آگ کے انگارے ہاتھ رکھنے کی طرح پھر ایسی مصیبت گلے میں ڈالے ہی کیوں۔ ہاں حیلہ سازی سے تو بہانہ جو را عذر ہاں سید۔

سوال : بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے تو کیا اس صورت انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا۔

جواب : یہ بھی ایک حیلہ بہانہ ہے ورنہ جب یقین ہے کہ بیمہ کمپنی نے حاصل شدہ مال سود اور جوا ہے تو پھر اسے ثواب کی نیت سے لینا عجیب معاملہ ہے یہ تو ایسے ہے جیسے اس ارادہ سے گناہ کرے کہ توبہ کروں گا کیونکہ توبہ بھی ایک نیکی ہے فلہذا اس سے محروم نہ ہو جاؤں۔ ایسا شخص پاگل کہلائے گا اس سے بیمہ کے منافع کو اسی غرض سے لینے کو خود سمجھتے۔

بیمہ کے سبز باغ پر خزاں کا جھوٹکا : پہلے ان باغبانوں کا حال سن لیں کہ ہمارے دور کی بد قسمتی ہے کہ اکثر مسلم حکومتوں پر ایسے افراد مسلط ہیں کہ جو اپنے وسائل و ذرائع کو اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ پر صرف کرنے کے بجائے اسلام کی ”تجدید“ پر خرچ کر رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششوں کا حاصل یہی ہے کہ عام مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات و احکام سے برگشتہ کر کے الحاد اور ذہنی آوارگی کے حوالہ کر دیا جائے۔ اگر کسی حکومت کے زیر انصرام کوئی ایک آدھ ادارہ ”تحقیقات اسلامی“ کے نام سے بھی نظر آتا ہے تو وہ بھی صرف اس غرض کے لئے ہے کہ ”جدید اسلام“ کی داغ بیل ڈال کر صحیح اسلام کے نقوش مسلمانوں کے دلوں سے مٹا دیئے جائیں۔ اس قسم کے اداروں کا مافی الضمیر سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے

کہ ان کو غذا استشراف کے طعام خانوں سے ملتی ہے جن کا مقصد وحید یہی ہے کہ جو اسلام تلوار کے زور سے فتح نہیں ہو سکا۔ اس کو تشکیل کی راہوں پر ڈال کر ختم کر دیا جائے۔

مثلاً پاکستان : اخبارات و رسائل اور تصانیف علماء شاہد ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے بعد مسائل اسلام کے ساتھ ان خدا کے بندوں نے کیا حشر کیا ہے۔ ہر دن نئی شرارت نیا فتنہ نئی تحقیق کونسا خوش بخت اسلامی مسئلہ جس پر ان بے راہ روندگان نے طبع آزمائی نہیں کی اور یہ جو کچھ ہوا۔ حکومت کے پالتو مجتہدین سے ہوا خدا بھلا کرے علمائے اسلام کا کہ باوجود غربت و افلاس اور بے سروسامانی کے ان کے مقابلہ میں مسائل کی روح کو بچائے رکھا ورنہ ان پالتو ڈاکٹروں، پروفیسروں، وکلاء نے اسلامی مسائل کی روح کے گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور تاہنوز روز نامہ معلوم تاجے اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں چونکہ ان کے پاس حکومت کی طاقت کے علاوہ دیگر اسباب و وسائل بھی بے شمار ہوتے ہیں اسی لئے وہ اسلامی اصول کے خلاف نہایت اعلیٰ خوبصورتی سے سبز باغ دکھا کر اپنی من مانی باتوں کے بعض امور میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بیمہ انشورنس مثلاً : اس طریقہ کار کو پیش کرنے کا طریقہ کار ملاحظہ ہو (عنوان جمایا ہے بیمہ زندگی) اس غیر یقینی دنیا میں صرف موت ہی ایک یقینی امر ہے۔ کسی مکان کو آگ لگے یا نہ لگے، کوئی جہاز ڈوبے یا نہ ڈوبے، کسی موٹر کو حادثہ آئے یا نہ آئے لیکن ہر انسان کا مرنا ضروری ہے۔ ہم آپ کس گنتی میں ہیں جن بزرگ ہستیوں کو لوگ ولی، پیغمبر، اوتار، خدا کا بیٹا ایسے ناموں سے یاد کرتے ہیں ان کو بھی موت کے سامنے سر جھکانا پڑا اور ہر بڑے چھوٹے اور شاہ و گدا کو اسی دروازے سے گزرنا پڑا۔ لیکن دن رات اور صبح و شام لوگوں کو راہی ملک عدم دیکھتے ہوئے بھی ہم موت

سے غافل ہیں۔ زبانی نہ سہی لیکن عملاً ہماری طرز زندگی ہماری غفلت کا بدیہی ثبوت ہے۔ دور کیوں جاتے ہیں اپنے محلہ میں ہی دیکھئے کتنے گھر خوشحال ہیں اور کتنے مفلس و نادار؟ ان مفلس گھروں میں زیادہ گھر ایسے ہوں گے جو کسی وقت عیش و عشرت میں رہتے تھے لیکن اس وقت ان کے سردار کو موت کا خیال ہی نہ تھا۔ دنیا کی دلفریبی، غرض مندوں کی خوشامد اور زمانے کی موافقت سے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ دن ہمیشہ ہی رہیں گے۔ لیکن موت نے آکر ایسا چکر دیا کہ نہ وہ عیش کے ساہن رہے اور نہ ہی پرانی شان۔

ہم لوگ شادی کرتے ہیں اولاد پیدا کرتے ہیں، خود عیش کرتے ہیں اور ان کو عیش کرواتے ہیں۔ آج کل حالات زمانہ ہی ایسے ہو گئے ہیں کہ جتنی کسی کی آمدنی ہے اتنا ہی کا خرچ ہے لیکن ذرا سوچیں تو سہی کہ آج ہم کمار ہے ہیں اور دن چھین اور رات آرام سے گزر رہی ہے لیکن خدا نخواستہ اگر کل یا چھ مہینے یا دو سال کے بعد اگر ہماری موت واقع ہو جائے تو ہمارے اہل و عیال کا کیا حشر ہوگا۔

پچھلے زمانہ میں لواحقین اپنے خاندان کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی پرورش کر سکتے تھے۔ اب نہ محبت ہے نہ فرضی شناسی اور نہ ہی بساط۔ اپنا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے دوسروں کا بوجھ کون اٹھائے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنی بیواؤں اور بچوں کے لئے کافی روپیہ نہیں چھوڑ جاتے، ان کو یا تو دھوا آشرموں اور یتیم خانوں کی شرٹن یعنی پڑتی ہے یا محنت مزدوری کی۔

دیکھ کر رنگ فنا خون جگر پینا پڑا  
زندگی سے سخت گھبرایا مگر جینا پڑا

اب آپ ہوں یا میں، امیر ہو یا غریب کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی عورت اور اولاد کو در بدر بھٹکنا پڑے۔ اس لئے یہ کافی نہیں کہ ہم اپنی زندگی میں ہی اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتے رہیں۔ بلکہ کوئی ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ خواہ ہم سو برس تک زندہ



رہیں خواہ چل بسیں، ان کا گزارہ اور تعلیم وغیرہ بدستور جاری رہے۔ اس مطلب کے لئے اہل مغرب نے ایک سہل ترکیب نکالی ہے جس کا نام ہے ”زندگی کا بیمہ“

زندگی کے بیمہ میں کمپنی درخواست کنندہ کی خواہش، عمر اور صحت اور مد نظر رکھ کر ذمہ داری لیتی ہے کہ اگر بیمہ کنندہ ہر سال اتنے روپے بیمہ کمپنی کو ادا کرتا رہے تو وہ مقرر کردہ رقم (دو ہزار، چار ہزار، دس ہزار) اس کو یا اس کے ورثاء کو ادا کرے گی۔ لیکن یہ کوئی نئی اسکیم نہیں، سینکڑوں برسوں کی آزمودہ چیز ہے۔ مغربی دنیا کے لوگ اس کے فوائد سے آشنا ہو کر اقتصادی تکلیفوں سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ وہاں تو اس کا اس قدر رواج ہے کہ لڑکی شادی پر رضامند ہی نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی تسلی نہ ہو جائے کہ اس کے ہونے والے خاوند نے اپنی زندگی کا کافی رقم کا بیمہ کر لیا ہوا ہے۔

ہندوستان میں بھی بیمہ کو جاری ہوئے لگ بھگ سو برس ہو گئے اور جوں جوں لوگ اس کی خوبیاں سے واقف ہو رہے ہیں توں توں ہی زیادہ بیمہ کروا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس وقت صرف ہندوستانیوں نے ہی ڈیڑھ ارب روپے سے اوپر کا بیمہ کروایا ہوا ہے۔

گورنمنٹ بیمہ کو اس قدر مفید اور ضروری سمجھتی ہے کہ اس نے بیمہ کمپنیوں کی نگہداشت کے لئے گورنمنٹ ایجنسی کے ماتحت ایک علیحدہ ایکٹ (قانون) نافذ کر دیا ہے۔ جس کی رو سے ہر ایک بیمہ کمپنی کو دو لاکھ روپیہ کی ضمانت شاہی خزانہ میں داخل کرنی پڑتی ہے۔ حساب کتاب کی باقاعدہ پڑتال ہوتی ہے تاکہ بیواؤں اور یتیموں کے حقوق کی زیادہ سے زیادہ حفاظت ہو سکے۔ یہاں تک کہ بیمہ کو ترقی دینے کے لئے گورنمنٹ نے بیمہ زندگی کے لئے ادا کردہ چندہ کو انکم ٹیکس سے بھی مبرا کر دیا ہے بشرط یہ کہ یہ کل آمدنی کے چھٹے حصہ سے زیادہ نہ ہو۔

پسماندگان کے لئے زمین یا مکان خریدنا اور بینک میں روپیہ جمع کراتے رہنا اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔ لیکن جو خوشی ”زندگی کے ہمہ“ میں ہے ان میں نہیں مکان یا زمین کے لئے پہلے روپیہ کی فراہمی ضروری ہے اور روپیہ جمع کرنے کے لئے عرصہ درکار ہے لیکن ۔

کیا بھروسہ ہے زندگی کا  
آدمی بلبلا ہے پانی کا

بینک صرف اتنا ہی روپیہ جمع سود واپس کرے گا جتنا آپ نے جمع کر لیا ہوگا۔ پس اگر زندگی نے وفا کی تو روپیہ کافی ہو گیا ورنہ وہی مصیبت کی مصیبت۔ یہ وصف صرف ہمہ زندگی میں ہی ہے کہ موت خواہ کسی وقت واقع ہو کمپنی کو گارنٹی کا پورا روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ گویا پہلی قسط ادا کرتے ہیں جائداد تو رجسٹری کر دی جاتی ہے اور اس کا روپیہ بذریعہ اقساط وصول کیا جاتا ہے اور اقساط بھی جتنی آپ جین حیات میں ادا کر دیں موت ہو جائے تو اقساط فوراً بند اور جائداد یعنی ہمہ کا روپیہ ورثاء کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

پس جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے ناز و نعم سے بچے ہوئے بچے جان سے پیاری بیوی اور بوڑھے ناناواں والدین ان کے بعد یتیم خانوں، ودھوا آشرموں اور لپاچ گھروں میں نہ رلتے پھریں یا بھیک مانگتے پر مجبور نہ ہوں یا ان کے کم سن اور ہونہار بچے تعلیم کے لئے دوسروں کے دست نگر اور آوارگی کی زندگی پر مجبور نہ ہوں۔ انہیں ایک لمحہ بھی توقف نہ کرتے ہوئے فوراً ہی زندگی کا ہمہ کرایتنا چاہئے۔ (یہ تھا کمپنی کا پروگرام اب فقیر کی سنئے)

تبصرہ اولیٰ غفرلہ : مذکورہ بالا تجاویز پڑھ کر یا سکر ہر انسان اپنی اور اپنے کنبے اور عزیز چھوٹوں اور بیوی کی سہولت بلکہ آرام کی زندگی کے لئے مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ

یہ جیسی نعمت سے محروم نہ رہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ آسانی و سہولت سود یا قمار وغیرہ کے طریقہ سے تو نہیں حاصل ہو رہی اگر واقعی سود اور قمار ہے تو پھر ایسی سہولت و آسانی سے دکھ اور تنگدستی بھلی کہنے کے علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا۔  
اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

## دوسرا عنوان بیمہ اور مسلمان

مسلمان کو بیمہ سے باز رکھنے میں انکا یہ خیال بھی کار فرما ہے کہ بیمہ میں سود ہے اور اسلام نے ربا کو اس لئے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے کہ ربا لینے والے میں سختی کرنے کا تصور موجود ہوتا ہے اور وہ دوسروں پر ظلم روا رکھتا ہے۔ غور بین نگاہوں سے پوشیدہ نہیں کہ کمپنی کی تشکیل محض بیمہ کرنے کے لئے عمل میں آتی ہے نہ کہ بیمہ کرانے والوں کا ظلم خریدنے کے لئے اور اس امر کا کوئی گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ بیمہ کرانے سے کمپنی پر ظلم ہوگا۔

اب ذرا بیمہ دار کا خیال کیجئے۔ اگر وہ زندہ رہے تو رقم بیمہ معہ منافع وصول کرے اور قبل از وقت موت واقع ہو جائے تو پسماندگان کے لئے سرمایہ حیات چھوڑ جائے گا اب رہا ایجنٹ وہ پچارا اپنا اور لواحقین کا گذارہ اس رقم سے کرتا ہے جو کمپنی کمیشن کے طور پر اس کو ادا کرتی ہے۔ گویا وہ بھی اپنے فرائض سے سبکدوش ہوتا ہے۔

بیمہ کمپنی کا قیام و استحکام بھی ان تینوں پر مبنی ہے۔ (۱) کمپنی (۲) ایجنٹ (۳) بیمہ کنندہ جس میں سے کوئی بھی گھائے میں نہیں رہتا بلکہ ہر ایک کو کثیر فائدہ حاصل ہوتا ہے جس سے ان کی ضروریات زندگی باحسن طریق پوری ہوتی ہیں۔ یہ تو ایک قسم کی باہمی امداد ہے جس سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نفوس آج امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر اس طریقہ کار کو ظلم و ستم کی ترغیب سے تعبیر کر کے اس سے دامن چلایا جائے تو یہ غلطی ہے جس سے ملت اسلامیہ بہ حیثیت مجموعی آج کافی خسارہ



میں ہے۔

یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ بیمہ مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر تاریخ شاہد ہے۔ جس وقت مسلمان ایک تجارتی قوم کی حیثیت سے اقوام عالم میں سر بلند تھے۔ اس وقت بیمہ مال تجارتی Marine Insurance رائج تھی اور زمانہ کے نام سے موسوم ہوئی جوں جوں مسلمانوں میں شہنشاہیت بڑھتی گئی یہ کام بلقانی۔ یہودیوں نے اپنے قبضہ میں کیا۔ اور جو نئی مسلمانوں نے قسطنطنیہ سے آگے قدم بڑھائے وہ لوگ جنوبی یورپ کو چھوڑ کر شمال کی جانب روا ہوئے۔ اور انہی لوگوں نے انگلستان پہنچ کر وہاں بیمہ کا کام رائج کیا۔ جو بعد میں Lloyds کے نام سے مشہور ہوا۔ کیا اس دور کے مسلمان اسلامی اصولوں سے نابلد تھے یا اس زمانہ میں وہ ہم لوگوں سے بھی گئے گذرے تھے۔ اسلامی اصولوں پر چلنا پسند نہ کرتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ بیمہ نہ تو اس وقت رائج تھا جب جناب پیغمبر خدا ﷺ نے خدا کا پیغام دنیا میں پھیلانا شروع کیا اور نہ ہی اس وقت موجودہ زمانہ کے اقتصادی اصول رائج تھے۔ اس وقت سود لینے والوں کی وہ حالت تھی جو اس وقت چند پٹھان سود خواروں کی ہے۔ اور یہ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ ایسی سود خوری اور خورانی حد درجہ ذیل اور مضرت رساں ہے اور اسی بنا پر اسلام نے اسے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

ہر وہ ملک یا قوم جو آج ترقی پذیر ہے اور ہر طرح سے اپنے اقتصادی حالات درست کرنے میں کوشاں نظر آتی ہے۔ لیکن ہم ہندوستان کے مسلمان ہیں کہ فضول مباحث میں وقت کھورے ہیں۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر بیمہ ہوتا ہے اس میں مسلمانوں کا حصہ مشکل ۴ فی صد ہے۔ مسلمانوں کا اس قدر پیچھے رہنا ان کی انتہائی پستی و کمزوری کی نشانی نے پولیٹیکل حالات کو درست کرنے کے لئے ملک کی سیاسی انجمنیں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں لیکن یہ خیال کسی کو نہیں آتا کہ بغیر اقتصادی بہترین کے مسلمان کبھی سیاسی ترقی نہیں کر سکتا۔

میرے نزدیک ہر قوم کی اقتصادی ترقی کی شاہراہ کی پہلی منزل یمہ ہے۔ اور اس میں سے یمہ زندگی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ معمولی سے سیاسی معاملہ پر تو سینکڑوں مسلمان جان دینے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو یہ کہا جائے کہ بھائی یمہ کرانے سے تم اپنی اور مسلمانوں کی مالی و اقتصادی حالت کو بہتر بنا سکتے ہو، تو افسوس ہے کہ کوئی بھی لبیک کہتے کو تیار نہ ہوگا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(۱) یمہ کمپنی سے دی ہوئی کاپی ص ۲۸ تا ص ۳۲

مخلصانہ وعظ : کیسا بہترین وعظ ہے جسے ہر مسلمان نہ صرف تسلیم کرے بلکہ دنیاوی زندگی کی عین مراد۔ لیکن اس کا مدعا صرف یمہ بتانا ہی اسلام کے سنہری اصول کو درپردہ مٹانے یا کم از کم انہیں کمزور کی تحریک ہے۔

(۱) تقدیر ربانی پر ایمان میں ضعف و کمزوری۔

(۲) توکل علی اللہ کی نعمت سے محرومی

(۳) اہل و عیال (بچے۔ بیوی) کے متعلق فکر مندی

(۴) اپنی زندگی کو تنگی تنگی میں ڈال کر آنے والے موہومی معاملات کی سدھار کا خیال (فکر)

تبصرہ اویسی غفرلہ : مذکورہ بالا تقریر کمپنی کی طرف سے ہے اب فقیر کی سنئے۔

ماتا کہ یمہ وغیرہ کا آغاز اہل اسلام سے ہوا اور انہوں نے قواعد اسلام کے مطابق کام کیا لیکن یہ کہاں کا اسلامی قانون ہے کہ ہر وہ کام جو مسلمان شروع کریں وہ ہمیشہ اور ضروری اسلام ہو ہم تو مانتے ہیں کہ یمہ وغیرہ کا جواز اس وقت ہے جب اسلام کے عین مطابق ہو یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے اس کے جواز کی صورت کے لئے علماء

کرام کا دروازہ کھٹکایا۔

حضرت امام شامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق کی رہبری سے یمہ کا کام چلایا اور خوب چلا لیکن جب اسے یہودیوں نے اپنایا اور انہوں نے سودی اصول یمہ داخل کئے اور اسلامی اصول کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ اب کمپنی کے کار پر درازن حضرت اسی یہودی اصول کو باقی رکھ کر مسلمانوں پر یمہ کی لعنت ڈالیں تو ہمارے کو تو برداشت نہیں کسی بے غیرت کو یہودی اصول گوارہ ہیں تو وہ جانے اور اس کا کام۔ ہاں آج بھی اگر کمپنی ان علماء کرام کے مشوروں کے یمہ کی صورتوں کو تیار کریں۔ جو خدا ترس ہیں تو ہم خود بھی یمہ کے ممبر بننے کو تیار ہیں لیکن جب وہ اپنے تیار کردہ لیڈر مولوی نما لوگوں سے اصول بنوائیں تو ہمارا یمہ کو دور سے سلام۔

یمہ کب سے : کہتے ہیں اس کا آغاز بہیت کذا سیہ کی اٹلی کی تاجر برادری نے کی یعنی اسلحہ کے تجارت نے جب دیکھا کہ بعض تاجروں کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ انتہائی افلاس تنگدستی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس صورت حال کا حل یہ نکالا کہ اگر کسی شخص کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جائے تو تمام تاجر مل کر اس کی معاونت کے طور پر اسے اس مال یا ہر سال ایک مہینہ رقم ادا کیا کریں۔ یہی تحریک ترقی کر کے جہازوں کے یمہ تک پہنچی کہ ہر ایک ممبر ایک مقررہ رقم ادا کرے تاکہ اس قسم کے حوادث و خطرات کے موقعہ پر نقصان کا کچھ نہ کچھ تدارک کیا جاسکے۔

یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ سب سے پہلے اندلس کی مسلم حکومت کے دور میں بحری تجارت میں حصہ لینے والے مسلمانوں نے تجارتی یمہ کی طرز ڈالی ابتدا میں یمہ کی شکل سادہ سی تھی بعد میں اس کی نئی نئی صورتیں نکلتی رہیں اور تجربے ہوتے رہے۔ ہالینڈ اس تجربے میں پیش پیش رہا۔ موجودہ دور میں ایک مقررہ قسط پر یمہ



کاری کا نظام سب سے زیادہ مقبول ہے جس کو ”سرمایہ کاریاستی بیمہ“ کہا جاتا ہے۔ اب دنیا کی حکومتیں بیمہ کو لازمی قرار دے رہی ہیں جس کو ”ریاستی بیمہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بیمہ کی ابتدا ۱۴۰۰ء میں بتلائی جاتی ہے۔ ابتدا ہوتے ہی اس کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا اور اس کے مقدمات اسی کثرت سے عدالتوں میں آنے لگے کہ ۱۴۳۵ء میں اس کے لئے خاص عدالتیں مقرر کی گئیں۔ جو صرف بیمہ کا مقدمات سماعت کریں۔ ”بیمہ بحری“ کے بہت بعد بیمہ ”بری“ شروع ہوا۔

سلطنت آل عثمان کے زمانہ میں جب حکومت ترکی کے تجارتی تعلقات کے ملکوں سے قائم ہوئے تو یورپین تاجروں کے توسط سے بیمہ اسلامی ملکوں داخل ہوا اور اس کے بارے میں علمائے وقت سے استفسارات شروع ہوئے چنانچہ تیرہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین رد المحتار میں کرتے ہیں۔

وبما قررنا لا يظهر جواب ماكثر السؤال عنه في زماننا وهو انه جرت العادة ان التجار اذا استاجروا امركتبا من حربى يدفعون له اجرتة، ديدفعون ايضا مالا معلوما لرجل حربى مقيم في بلاده يسمى ذالك المال ”سوكره“ على انه مهما هلك من المال الذى فى المركب بحرق او غرق او نهب او غيره فذالك الرجل ضامن له بمقابلته مايا خذه منهموله وكيلى عنه سستامن فى دارنا يقم فى البلاد السواحل الا سلاميته باذن السلطان يقبض من التجار مال السكوره واذ اهلك من مالهم فى البحر شئى يزدى ذالك المستامن للتجار بدله تماما

(رد المحتار (شامی) باب الثامن ص ۳۴۵ ص ۳)

اور ہماری اس تقریر سے اس سوال کا بھی ظاہر ہو گیا جس کے بارے میں آج کل کثرت سے سوالات کئے جا رہے ہیں کہ اب طریقہ یہ ہو گیا ہے کہ تاجر جب کسی حربی (۱) سے کوئی جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو اس کا کرایہ ادا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دارالحرب کے کسی باشندہ کو جو اپنے علاقہ میں مقیم رہتا ہے کچھ رقم اس شرط پر

دے دیتے ہیں کہ جہاز میں لدے ہوئے مال کے آتش زدگی، غرقابی اور لوٹ مار ہو جانے کی صورت میں یہ شخص مال کا ضامن ہوگا اور رقم کو ”سوکرہ“ یمہ کی رقم کہا جاتا ہے اس کا ایجنٹ ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں شاہی اجازت نامہ کے بعد مستامن (۲) بن کر رہتا ہے جو تاجروں سے یمہ کی رقوم وصول کرتا ہے اور مال کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں تاجروں کا پورا پورا معاوضہ ادا کرتا ہے۔

(۱) حرلی دارالحرب کے باشندے

(۲) رواہ المختار باب المستامن ص: ۳۲۵ ج ۳

واضح ہو علامہ موصوف کے فتوے کو تو ہم بعد میں ذکر کریں گے لیکن عبارت مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ یمہ بحری کو اس زمانہ میں اچھا خاصا فروغ ہو چکا تھا۔ یورپی ملکوں سے جو جہاز کرایہ پر لئے جاتے تھے۔ ان کا لازمی طور پر یمہ کر لیا جاتا تھا۔ یمہ کمپنیوں کا عمل دخل ترقی حکومت میں جاری تھا، یمہ کمپنیوں کے ایجنٹ ترکی کی بندرگاہوں پر ضابطہ سلطانی اجازت کے بعد مقیم تھے اور انہوں نے اپنے دفاتر قائم کر لئے تھے یہاں تک کہ علمائے دقت کے پاس اس بارے میں کثرت سے سوالات آنے لگے، کتب فتویٰ میں رد المختار غالباً پہلی کتاب ہے۔ جس میں یمہ کے بارے میں تفصیل سے جواب دیا گیا ہو۔

یمہ کی ابتداء جس جذبہ کے تحت ہوئی اور جس طرح وہ ارتقاء کے مختلف ادوار سے گذرا وہ سب کے سامنے ہے لیکن اس کا انجام بھی ہر اس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا کہ یہودیوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد تعاون علی البرد التقویٰ پر تھی۔ اسے ایک ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا جس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مجوزین بضد ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر قسم کا یمہ جائز ہے بعض صاحبان یمہ کے موجودہ نظام کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی حلت اور جواز کے قائل ہیں ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) بیمہ امداد باہمی کی ایک شکل ہے۔ تعاون اور امداد باہمی اسلامی حکم ہے۔ (بیمہ امداد باہمی تو ہے لیکن اس میں سود کی ملاوٹ ہے اسی لئے ناجائز ہے۔

(اولیٰ غفرلہ)

(۲) جس طرح بیع بالوفاء کو گوارا کر لیا۔ اسی طرح اس کو بھی گوارا کر لیا جائے (بیع الوفاء اور بیمہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی لئے اس پر قیاس کرنا غلط ہے۔

(اولیٰ غفرلہ)

(۳) بیمہ کمپنی ضرورت مندوں کو جو قرض دیتی ہے اور اس پر جو سود لگاتی ہے یا بیمہ دار کو اصل مع منافع دیا جاتا ہے۔ وہ شرعی ریوا (سود) نہیں ہے (یہ صرف ادعا ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔) اولیٰ غفرلہ

بیمہ کمپنی کے اصول واضح طور پر بتاتے ہیں کہ بیمہ ہی سود کا نام ہے۔ ہاں اس میں جواز کی صورتیں پیدا ہیں بعض لوگوں نے اسے جواز میں لانے کے لئے چند صورتیں بتائی ہیں مثلاً۔

(۱) عقد موالاہ پر قیاس کہ اس میں ایک غیر شخص دیت وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں میراث کا حصہ دار ہو جاتا ہے اسی طرح بیمہ کو بھی سمجھ لیا جائے (یہ سلسلہ بھی محل نظر ہے) اولیٰ غفرلہ

(۲) ودیعت بالجر (۱) اور مسئلہ ”ضمان خطر الطريق“ میں بیمہ کی بعض صورتوں کو داخل کیا جاسکتا ہے۔ خطر الطريق ہے کہ کسی نے کسی سے کہا کہ فلاں راستہ پر سفر کرو وہ راستہ اطمینان بخش ہے اگر اس راستہ پر لوٹ گیا تو ضامن ہوں۔ اگر لوٹا گیا تو ضامن نقصان پورا کرے گا۔

(۱) ”ودیعت بالجر“ کی صورت یہ ہے کہ اپنے مال کو کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھا جائے اور حفاظت و امانت کی ”اجرت“ مقرر کر دی جائے اس صورت میں اگر مال ضائع ہو جائے تو امین ضامن ہو جاتا ہے اور نقصان کا



معاوضہ اس کے ذمہ واجب ہے۔

(۳) مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے بدوں کسی عقد کے تو وہ وعدہ لازم ہو جاتا ہے اور نقصان کی صورت میں وعدہ کرنے پر معاوضہ نقصان ضروری ہوتا ہے۔ ان صورتوں میں بھی خامی ہے جس کی وضاحت ہم آگے چل کر امام شامی قدس سرہ کی وضاحت میں عرض کریں گے۔

ہم یمہ موجود یعنی دور حاضرہ میں عدم جواز کے اس لئے قائل ہیں کہ

(۱) یمہ اپنی اصل وضع میں یا تو قمار ہے جب کہ مدت مقررہ کے اختتام کے قبل ہی یمہ دار کی موت واقع ہو جائے یا ریو ہے جب کہ کل اقساط کی ادائیگی کے بعد یمہ دار یمہ شدہ رقم مع منافع حاصل کرے۔ قمار اور ریو دونوں حرام ہیں (۲) یمہ میں صفتان (۱) فی صفتہ پایا جاتا ہے۔

(۱) صفتہ فقہ میں ایک معاملہ کے ختم ہونے سے پہلے اس میں دوسرا معاملہ داخل کرنا (اویسی غفرلہ)

اس کی مخالفت نص حدیث سے ثابت ہے اور اس کی ممانعت پر ائمہ اور اربعہ کا اتفاق و اجماع ہے۔ (۳) یمہ سے نظام میراث درہم برہم ہو جاتا ہے کیونکہ یمہ دار کے نامزد کردہ شخص کو یمہ کی رقم دی جاتی ہے۔ جب کہ ہر شرعی وارث مال متروکہ کا حقدار ہے (۴) عقد صرف (۲) ہے۔ جس میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے (۲) فقہ میں عقد صرف روپے کی بیع روپے سے یا سونے چاندی کی آپس میں بیع کو صرف کہتے ہیں اس میں شرط ہے کہ معاملہ کرنے والے مجلس ختم ہونے سے پہلے مال پر قبضہ کر لیں۔

(۵) عقیدہ تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے کہ پیش آنے والے حوادث اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے جائیں اور یہاں یمہ کرانے والے اس عقیدہ سے فرار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے حوادث و موت کی پیش بندیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ایسے افراد سے اللہ جل جلالہ و رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوتے ہیں جیسا واقعہ تاثیر الخلل کا مشہور ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے تو توکل کا سبق دیا کہ کھجوروں میں پچ ڈالنے کی ضرورت نہیں لیکن انہوں نے بے صبری کی آپ نے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا انتم اعلم بامور دنیا کم۔

”تم جانو اور تمہارا کام“

اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ التلخیص فی التلخیص میں دیکھئے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان تاجروں کو ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ التزام مالا يلزم (جو شے لازم نہ ہو اسے اپنے ذمہ لازم کی جائے) کی صورت ہے۔

سوال : امانت رکھنے والا امانت کی حفاظت پر اجرت وصول کر لے اور مال ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔

جواب : بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہاں مال بیمہ کمپنی کی تحویل میں نہیں ہوتا بلکہ بحری جہاز کے مالک یا اس کے ملازموں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ بیمہ کمپنی کا جہاز بھی ہو تب بھی ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں بیمہ کمپنی اجیر مشترک سمجھی جائے گی جس نے حفاظت مال اور مال لے جانے دونوں کی اجرت لی ہے اور ظاہر ہے کہ اجیر مشترک ناگمانی آفات سے مال تلف ہو جانے کی صورت میں ضامن نہیں ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ باب الكفالة میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو راستہ قابل اطمینان ہے۔ شخص مذکور نے راستہ پر سفر کیا۔ سفر میں مال ضائع ہو گیا۔ تو اطمینان دلانے والا شخص ضامن نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر اس نے ضمانت کے الفاظ بولے اور کہا کہ تیرا مال

چھیننے کی صورت میں ضامن ہوں‘ راستہ میں مال چھین لیا گیا تو ضمانت دینے والا نقصان کا معاوضہ دے گا۔ شارح یعنی صاحب در مختار نے دونوں مسئلوں میں فرق اس طرح کیا ہے کہ دوسرے مسئلہ میں ضمانت کے الفاظ سراحۃ پائے جاتے ہیں کیونکہ ”انا ضامن“ (میں ضامن ہوں) لفظوں میں موجود ہے اور پہلے مسئلہ میں اس طرح نہیں ہے۔ جامع التمولین میں وجہ فرق اس طرح بیان کی ہے۔

کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ غرر (۱) میں آنے والا غرر دینے والے سے ضمان اس وقت لے گا جب کہ غرر کسی عقد معاوضے کے ضمن میں پایا جائے یا دھوکہ دینے والا دھوکہ دیئے ہوئے شخص کے حق میں صفت سلامتی کا ضامن ہو مثلاً ایک شخص کسی چکی والے کے پاس گیہوں پنانے کے لئے لایا۔ چکی والے نے اس سے کہا کہ اس برتن میں ڈال دو اتفاق سے برتن میں سوراخ تھا۔ اور چکی والا اس سے واقف بھی تھا۔ تب بھی اس نے گیہوں برتن میں ڈالنے کے لئے کہہ دیا۔ گیہوں سب ضائع ہو گئے۔ چکی کا مالک نقصان کا ضامن ہو گا۔ کیونکہ اس نے عقد اجارہ کے ذیل میں دھوکہ دیا حالانکہ معاملہ کا تقاضا یہ تھا کہ مال کی حفاظت رہے۔“

(۱) فقہ میں غرر کے معنی ہیں کسی کو دھوکہ دینا اور غلط طریقے سے اس کو طمع میں ڈالنا۔ دھوکہ دینے والے کو غار اور دھوکہ کھائے ہوئے کو مغرور کہتے ہیں۔ غرر کی دو صورتیں ہیں۔ ”غرر قولی یعنی زبان سے معاملہ میں دھوکہ دے مثلاً یہ بکری دو سیر دودھ دیتی ہے۔ اور وہ اتنا نہ دیتی ہو۔

(۲) غرر فعلی یعنی فعل سے دھوکہ دینا۔ جیسے گیہوں فروخت کرنے والا خراب گیہوں نیچے کر دے اور اچھے گیہوں اوپر کر دے۔ واضح رہے کہ غرر خطر کے معنی میں بھی فقہ کی زبان میں بولا جاتا ہے۔ یعنی ملک کو ایسی چیز پر موقوف کرنا جس پائے جانے یا نہ پائے جانے دونوں کا احتمال ہو جس طرح کہ قمار (جوا) میں ہوتا ہے قمار کی علت غرر اور خطر فقہ کی زبان میں بتلائی جاتی ہے۔ اویسی غفرلہ۔



میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں قید ضروری ہے کہ دھوکہ دینے والا نقصان سے واقف ہو۔ اور دوسرا شخص اس سے واقف نہ ہو۔ اب ظاہر ہے کہ بیمہ کمپنی کا مقصد تاجروں کو دھوکہ دینا نہیں ہوتا اور نہ ان کو جہاز کے ڈوب جانے یا آگ لگنے وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ رہا عام خطرہ تو وہ تاجر اور بیمہ کمپنی دونوں کو ہوتا ہے۔ کیونکہ تاجر بیمہ کراتے ہی اس وقت ہیں جب ان کو خطرہ ہو اور ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینے کی طمع ہو لہذا بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اگر مسلمان تاجر کا کوئی حربی شریک ہو اور وہ دارالحرب میں بیمہ کمپنی سے معاملہ طے کرے اور مال ہلاک ہونے کی صورت میں معاوضہ کی رقم میں کچھ مسلمان تاجر کا بھی حصہ لگالے تو یہ رقم مسلمان کے لئے حلال ہے کیونکہ ”عقد فاسد“ دارالحرب میں رہنے والے دو شخصوں کے درمیان ہوا ہے اور دارالحرب والوں کا مال ان کی رضامندی سے مسلمانوں کو پہنچا ہے۔ لہذا اس کے لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلمان تاجر دارالحرب میں ہوتا ہے اور وہاں ان کے سامنے یہ معاملہ طے کرتا ہے اور معاوضہ دارالاسلام میں لیتا ہے کبھی اس کے برعکس بھی صورت ہوتی ہے۔ یعنی معاملہ دارالاسلام میں طے ہوا اور وصول دارالحرب میں ہوئی پہلی صورت میں معاوضہ لینا جائز ہے کیونکہ دارالحرب میں طے کیا ہوا معاملہ کا اعدام سمجھا جائے گا اور یہ کہیں گے کہ حربی کا مال اس کی خوشی سے لیا گیا ہے اس لئے جائز ہے۔ دوسری صورت میں عقد چونکہ دارالاسلام میں قرار پایا ہے۔ اس لئے عقد پر فساد کا حکم لگایا جائے گا اور معاوضہ لینا ناجائز متصور ہوگا۔

فائدہ : امام شامی قدس سرہ کے دور میں سودی بیمہ نہیں تھا اس لئے اس کے سود کی بحث نہیں فرمائی۔ ہمارے دور میں تو سراسر یہ کام بلکہ اس کے علاوہ اکثر کمپنیوں کے کاروبار و دیگر کئی جدید طریقے نکال کر سود پر جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو

بچائے اور ہدایت بھی نصیب فرمائے۔ (آمین)

اویسی کی اپیل : علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ ان پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کریں اجتماعی طور پر نئے مسائل میں غور و فکر کر کے اسلام کی منشاء کے عین مطابق بنائیں سلف میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔

امام ابو بحر الرازی الجصاص اپنی بے نظیر کتاب احکام القرآن میں آیت کریمہ  
لَعَلَّهِمُ الَّذِينَ يَسْطُونَهُ مِنْهُمْ

البتہ اے جان لے جو اس کی استنباط کرتے ہیں

انزلنا اليك الذکر لتبين للناس ما نزل اليهم

ہم نے تمہاری طرف قرآن اتار تاکہ تم اسے لوگوں کو وضاحت سے بیان کرو اور  
جو ان کی طرف اترا

فحشنا على التفكير فيه وحرصنا على الاستنباط والتدبير وامرنا بالاعتبار  
لنتسابق الى ادراك احكامه وننال درجه المستنبطين

اللہ تعالیٰ نے ہم کو غور و فکر کرنے پر آمادہ کیا ہے اور احکام معلوم کرنے اور ان  
میں غور و خوض کرنے کی دعوت دی ہے اور قیاس سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ہم  
اس کے احکام معلوم کرنے کی طرف پیش قدمی کریں۔

فقیر سب سے پہلے اس اپیل کے دعویٰ میں امام الامۃ سیدنا امام ابو حنیفہؒ کی  
ذات کو پیش کرتا ہے۔ آپ کی سوانحری میں متعدد مقامات ایسے آئے ہیں کہ جو نہی  
کوئی نیا مسئلہ پیش آیا آپ یعنی امام اعظمؒ نے بہت سے حضرات کی شرکت میں ایک  
مجلس مرتب کی اور مسائل حاضرہ پر غور و فکر شروع کیا امام طحاوی نے بسند متصل اسد  
بن فرات سے روایت کیا ہے کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی اور  
اس عظیم کام میں امام صاحب کے شریک رہے چالیس تھے (جب ۷۷۷ھ ۲ج ۲) اسی

طرح میں جب بیع بالوفا کا حارا اور اس کے اطراف میں رواج شروع ہوا تو چونکہ یہ معاملہ کی ایک نئی صورت تھی، بیع صحیح، بیع فاسد اور رہن کا مجموعہ نظر آتی تھی اس لئے اس زمانہ کے علماء کا اس کے جواز عدم جواز میں اختلاف ہوا، بعض نے اجازت دی، بعض نے ممانعت کی۔

امام ابو الحسن ماتریدی رحمۃ اللہ کو ایک عالم نے مشورہ دیا کہ آپ اسے رہن سمجھتے ہیں میرا بھی یہی خیال ہے لیکن لوگ علماء کے اختلاف سے پریشان ہیں آپ علمائے امت کو جمع فرمائیں تاکہ کوئی متفقہ فیصلہ ہو (جامع الفصولین ص ۲۴۴)



## فیصلہ دربارہ بیع الوفا

ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہیں یہ مکان بیچا اس کی شرط یوں لکھے کہ اگر قیمت ادا کروں تو تمہیں مکان واپس کرنا ہوگا بعض علماء نے کہا یہ رہن ہے بعض نے کہا بیع فاسد ہے بعض نے کہا بیع صحیح ہے اسی پر فتویٰ ہے اسی لئے کہ اس میں ایجاب و قبول ہے اگر بیع کے اندر واپس کی شرط کی گئی تو یہ بیع فاسد ہے اگر ایجاب قبول کے بعد شرط واپس کی گئی تو بیع اور یہ شرط ایک وعدہ سے جس کی وجہ سے ہوئیں ہیں کوئی خرابی نہیں آتی۔

اویسی کی اپیل : ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مخالفین اسلام نئے نئے طریقے تیار کرتے ہیں جن میں بظاہر تو مفت کا مال اور ڈھیروں کے ڈھیر اور نہایت تھوڑے دنوں میں حاصل ہو جائے لیکن وہ ہوتا ہے سود یا جوا اور دور حاضرہ میں مخالفین اسلام کے ایسے کھیل نے ہماری معاشی زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور جس نے قوم کی اجتماعی دولت کو گمن کی طرح کھالیا ہے اس سے گلو خاصی کی کوئی صورت نکلتی ہی چاہئے اسی طرح بیمہ کی اصطلاح اور اس کو صحیح خطوط پر لانے کے اسباب و تجاویز و تدابیر کی جائیں بلکہ سخت ضرورت ہے کہ ”اقتصادیات“ کے منتخب ماہرین اور ارباب بھیرت علماء ساتھ بیٹھ کر حلال و حرام کی حد پیش نظر رکھ کر بیمہ کاری کا ایسا نظام دریافت کریں۔ جس میں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے سرمو تجاوز نہ ہو۔ عام مسلمانوں سے بھی ہماری گزارش ہے کہ کمپنیوں اور ان کے کارندوں پر جو اسلام کا نام لیتے ہیں، زور دیں اور ان پر اجتماعی وزن ڈالیں کہ وہ ان کو سود اور قمار کی لعنت سے نجات دلائیں، ان سے صاف صاف کہہ دیا جائے کہ اس یہودی نظام نے ہماری دنیا بھی تباہ کر رکھی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے برعکس یہ طریق کار صحیح نہیں ہے کہ صرف ماہرین شریعت کی طرف رجوع کر کے ان سے کہا جائے کہ بیمہ کو حلال کر دیں

یا ضرورت و مجبوری کے نام پر کوئی حیلہ نکالیں جیسا کہ آج یہ ہمساری زوروں پر ہے کہ غلط اور شرع شریف کے سراسر خلاف امور تیار کر کے زور دیا جاتا ہے کہ انہیں توڑ مروڑ کے ذریعے جائز اور حلال کر دیا جائے۔ ہمارے جیسے تو ایسے طریقوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے لیکن ٹیڈی مجتہدین ان کے نہ صرف حامی بن جاتے ہیں بلکہ انہیں ایسے طریقوں کو قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی سے جائز اور حلال ثابت کر دکھاتے ہیں ”اناللہ وانا الیہ راجعون“

ٹیڈی مجتہدین : ایسے مجتہدین کا کردار بھی قابل مذمت ہے۔ جو یورپ کے ماہر اقتصادی نظام کی چند خوبیاں یا خوشنما پہلوؤں کو دیکھ کر جواز اور حلت کا فتویٰ دینے میں نہایت بے باک ہیں، ان حضرات کو قرآن کی آیت کریمہ ’ذیل پیش نظر رکھنا چاہئے۔  
 وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنْتُكَمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِنُفْتُوهُ وَعَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ، اِنَّ الَّذِیْنَ یُفْتَوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (الخلع پ ۱۴ آیت ۱۱۶)  
 اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنالینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھو، بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں کبھی کامیاب نہیں ہونگے۔

مجوزین کے دلائل کا خلاصہ آپ پڑھ چکے ہیں، دلائل کی سطحیت بالکل ظاہر ہے، مثلاً اس دلیل کو آپ کیا کہیں گے کہ بیمہ کا سود ”حلال“ ہے کیونکہ قرض میں سود نہیں ہوتا۔

توہمات کے جوہرات : مجوزین بیمہ کا کہنا ہے کہ بیمہ کا سود حلال ہے اس لئے کہ وہ قرض ہے اور قرض میں سود نہیں ہوتا۔

جواب : سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید کی آیت ربو اسودی تجارت اور سودی قرض کے جاہلی نظام کو ختم کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جاہلی نظام میں قرض اور تجارت

دونوں کے ذریعہ سود لیا جاتا تھا۔ امام ابو بکر الجصاص الرازی احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔  
والثانی انه معلوم ان ربا الجاهلیہ انما کان قرضاً موجلاً بزیادہ مشروطہ  
فکان الزیادہ بدلاً من الجمل فابطلہ اللہ وحرمہ (۱ ج ۵۵۴)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ امر بالکل عیان ہے کہ زمانہ جاہلیت کا سود قرض میعاد کی  
شکل میں لیا جاتا تھا جس میں زیادتی شرط کر لی جاتی تھی زیادتی میعاد کا بدل ہوتی تھی اللہ  
تعالیٰ نے اس کو باطل قرار دیا۔ اور حرام فرمایا

معنی ابن قدامہ میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سا ریوا  
ہے۔ جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ امام موصوف نے جواب دیا۔  
ہو الزیادہ فی الدین وہ قرض میں زیادتی ہے

ریوا کے بارے میں احادیث نبویہ کا خلاصہ یہی ہے کہ ریوا صرف روپے کے لین  
ین تک محدود نہیں ہے بلکہ ریوا کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں داخل ہیں حتیٰ کہ  
ن صورتوں کو بھی حرام کر دیا گیا جن میں ادھار نہیں ہے بلکہ نقد معاملہ ہے مثلاً ایک  
زلہ چاندی لے کر دو تولہ چاندی دیدے یا ایک من نقد گیہوں دے کر اس کے  
حاوضہ میں دو من گیہوں نقد لے۔

رض کے وہم کا جواب : دین کا مطلب صرف قرض لینا ہے کیونکہ دین  
ثبت فی الذمہ (جو بھی انسان کے ذمہ آجائے اس) کو کہتے ہیں۔ اس میں بدل  
رض، ثمن، بیع وغیرہ سب داخل ہیں۔ شریعت کی اصطلاح کے نہ جاننے سے بھی  
ل عجیب قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جیسے ہمارے دور کے ٹیڈی مجتہدین پروفیسر ڈاکٹر وکلاء اور بعض جدت پسند مولوی  
لیڈر مبتلا ہیں۔ ان کے اکثر اصطلاحات شرع و عرف فقہ سے ناہل ہوتے ہیں۔

ضیح الجواب : بعض ٹیڈی مجتہدین اصطلاحات فقہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے



صرف احادیث و آیات کے ظواہر کا سہارا لے کر دعوہ کھا جاتے ہیں ان کے لئے گذارش ہے کہ فقہ حدیث کی شرح ہے جس طرح حدیث قرآن کریم ہے۔ اس لئے کہ فقہاء کرام نے ان ہی صورتوں کی تفصیلات مرتب کی ہیں جو حدیث میں بیان کی گئی تھیں۔ اس لئے فقہ کی کتابوں میں سود کے مباحث دیکھ کر بعض ٹیڈی مجتہدین اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ قرآن نے جس سود کو حرام کیا ہے وہ قرض والا سود نہیں ہے۔ بلکہ خرید و فروخت کی چند نادور شکلوں میں سود پایا جاتا ہے جو ایام جاہلیت میں مروج نہیں اور جن کا ذکر فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔

ایک اور غلطی : بعض نے تعاون علی البر و التقویٰ اور ولا یظلمون اس قسم کی عمومی آیات سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ یمہ بھی ایک دوسرے کا تعاون ہے۔

جواب : اس کا کون منکر ہے کہ تعاون نہ ہو لیکن ان آیات پر عموم جب قابل عمل ہے جب اس کے مقابل آیات سود قمار نہ ہوں جب سود و قمار کی صریح نصوص ہیں تو یہ عموم دوسرے عام امور پر ہو گا نہ کہ سود و قمار میں۔ مانا کہ یمہ کا آغاز مسلمانوں نے کیا لیکن ساتھ یہ بھی تو ان احباب کو یاد ہو گا۔

یمہ کی ابتدا : سادہ تھا اور اس کا مقصد بھی صرف یہی تھا کہ نقصان زدہ تاجروں کو مالی امداد دی جائے یا اس طرح کہہ لیجئے کہ ایک فرد کی مصیبت کے بوجھ کو بہت سے افراد پر پھیلا دیا جائے اس طرح کہ ہر ایک کو ایک خفیف سی قربانی دینا پڑے لیکن اس قربانی کے عوض جملہ افراد کو مصیبت و آفت کے وقت تعاون حاصل ہو، تعاون علی الخیر کا یہ جذبہ بڑا قابل قدر ہے، قرآن کریم مجید نے اس جذبہ کی متعدد آیات میں رغبت لائی ہے اور حدیث نبوی میں اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

ایک تو ہم اور اس کا جواب : یمہ کرانے والے شخص کے پیشہ نظر ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے انتقال کے بعد اس کے بیوی بچے کو تکلیف اٹھانا

پڑے اس مقصد کو حاصل کرنے لئے بہترین حل یہمہ ہے کہ انسان مرنے سے پہلے مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی بچے در در کے دھکے نہیں کھائیں گے۔

جواب : اس مقصد کو ہم اسلامی نقطہ نگاہ سے غلط نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ تعلیم نبوی اس کو صحیح اور بہتر قرار دے رہی ہے، سرور کائنات ﷺ ایک صحابی سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انك ان تدع ورثتك اغنياء خير من ان تدعهم عالة يتكفون الناس O  
تمہارا اپنے ورثہ کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان کو ایسا محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھیریں۔

اس طرح آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔  
ان امركن مما يهمنى من بعدى (مشكوة) تمہارے معاملہ میں مجھ کو فکر میں ڈال رکھا ہے کہ تمہاری گذر میرے بعد کیونکر ہوگی (یعنی میں نے کوئی میراث نہیں چھوڑی ہے اور تم نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔)

اپنے دنیا سے چلے جانے کے بعد بیوی بچوں کی فکر ایک فطری داعیہ ہے۔ اس لئے اسلام نے ان کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کی ہمت افزائی کی ہے اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ فطری اور جبلی دواعی کو ختم نہیں کرتا بلکہ ان کے لئے مناسب اور جائز راہیں تجویز کرتا ہے۔ جس سے انسان آخرت کی سزا سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ موجودہ یہمہ سے بیوی بچے تو زندگی آرام سے گذاریں یا نہ لیکن خود مرنے کے بعد سیدھا جہنم جاتا ہے اب بھی سمجھ لو۔

یہمہ کا شرعی حل : یہمہ کے حسب ذیل مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) سرمایہ محفوظ رہے (۲) اضافہ مال بذریعہ سود یا تجارت (۳) حوادث کی

صورت میں مالی معاونت موجودہ زمانہ میں حادثوں کی تعداد بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔  
آئے دن ہولناک قسم کے حوادث ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں جانی اور مالی دونوں۔ قسم  
کے حوادث بے اندازہ نقصان ہوتا ہے۔ (۴) پسماندگان کی مالی امداد

یہ مقاصد خوب ہیں بلکہ اہم ضرورت کی تکمیل ہیں لیکن ان کے حصول کا وہ  
طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جس سے دوزخ کا ایندھن نہ جتا پڑے۔ ہمہ پالیسی یا  
دوسرے وہ طریقہ جن میں سود و قمار کے اصول داخل ہیں ان سے آخرت میں گھاٹ  
کا سودا ہے دنیا میں نفع ہے طے یا نہ طے۔ پھر کیا فائدہ کہ انسان خواہ ایسا عمل  
کیوں کرے جو اسے دوزخ کا ایندھن بنائے۔ شرعی اصول کو رہبر بنا کر کاروبار چلائے  
اس میں اللہ رزق میں بھی برکت دے گا اور آخرت بھی سنورے گی۔

ہاں اصول شرع علماء اسلام سے سمجھ کر اپنے سرمایہ کو انہی اصول شرع کے مطابق  
خرچ کرے اس کا اپنا بھی بھلا اور بیوی بچوں اور اہل عیال کا بھی بھلا و ما علینا الا بلاغ  
وصل اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و علی اللہ اصحابہ و بارک و کرم و مسلم  
اقتام از قلم طلب کرم :

فقیر، مدینے کا بھکاری، ابو الصالح مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ  
۱۹ دسمبر ۱۹۹۷ء شعبان ۱۴۱۸ھ بروز پیر۔

وارد باب المدینہ یعنی کراچی شریف برائے دورہ تفسیر قرآن

زیر اہتمام حضرت حسان نعت کو نسل پاکستان

بر مکان : شاگرد عزیز علامہ مفتی پیر سید محمد عارف شاہ زید مجددہ

خطیب و امام جامع مسجد اقصیٰ

(اللہ ان کو دین و دنیا میں سعادت مند بنائے آمین)



# ﴿تمنائے دل﴾

محترم قارئین!!

ادب و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں سید لائق علی حاضر ہے کوئی مضمون تحریر کرنے کا اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہے۔ لیکن صرف دُعائیں سمیٹنے کی غرض سے حاضر ہو رہا ہوں۔ یہ بے مثال کتاب ”ہمہ زندگی مطابق فقہ حنفی“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے شبینہ کمیٹی کی جانب سے پیش کیا جا رہا ہے۔

شبینہ کمیٹی اور جشن عید میلاد النبی ﷺ اگنا ننگ کمیٹی نے مسلک کے حوالے سے جو خدمات بال بال ٹاؤن میں کی ہیں ان سے اہل علاقہ بخوبی واقف ہیں۔ الحمد للہ اسکی خوشبو سے اہل ایمان کا دل مسرور ہے۔ مسلسل نویں یار رسول اللہ ﷺ کا نفرنس ہو، یا مسلسل پندرہواں سالانہ شبینہ ہو علما کی خدمت ہو یا شاخوات کی حوصلہ افزائی ہو، کوئی جلسہ ہو اشاعت ہو، لا بیری کی قیام ہو، تعمیر مسجد ہو یا مدرسہ الغرض یہ کہ مسلک کی خاطر دین اسلام کی ہر خلوص خدمت کی خاطر ہر میدان میں ہر موقع پر ہر جگہ دن دیکھانہ رات دیکھی، ہر دم رواں ہر دم دواں نہ صلے کی پرواہ نہ ستائش کی تمنا، نہ دوستوں کی کمی کا شکوہ، نہ دشمنوں کی کثرت کی پرواہ، نہ طعنوں کا ڈر، نہ گلے کا خوف اللہ قبول فرمائے۔ آمین!

ہمارا منشور یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اس نسبت محمدی ﷺ پر کوئی آنچ نہ آئے۔ یہی ہمارا مقصد ہے۔ یہی دل کی تمنا ہے اس تعلق نسبت اور محمدی ﷺ پیار کو بچانے کے لئے سب تعلق رشتے ناٹے دوستی محلے داری ٹوٹ سکتی ہے یاد رکھئے یہ ایمان ہے اور اسکے لئے مسلک اہل سنت والجماعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ اگر ہے محبت تو کرتے رہیں گے

ہے اگر یہ جرم تو سرزد ہوتا رہے گا

(دلائل)

سید لائق علی

روح رواں شبینہ کمیٹی و جشن عید میلاد النبی آرگنائزنگ کمیٹی

جنرل سیکٹری: جامع مسجد اقصیٰ و مدرسہ ٹرسٹ